بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ

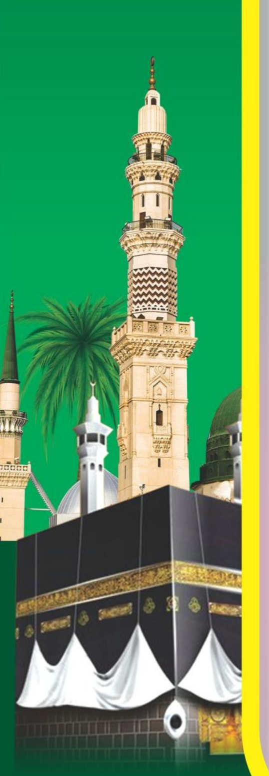
بیاد استاذ العلماء حافظ عبد المنان نور پوری رحمہ اللہ





جلد: ۱ | رجب، شعبان ۱۴۳۵ھ | شمارہ: ٤





- دینی امور پر اجرت
- دعاء کا قرآنی اصول
- مسیحی عقیدۂ تثلیث پر ایک نظر
- اہل میت کے ہاں جمع ہونا اور اجتماعی دعاء کرنا
- کتاب وسنت کی تعبیر و تشریح کے حوالے سے منہج اہل الحدیث
- اسلامی ممالک میں ہونے والے خودکش دھماکوں کی شرعی حیثیت

مرکز اہل الحدیث، مکہ ٹاؤن ملتان

+92-3477003080, +92-321-7302283
www.ahlulhadeeth.com mujallah@ahlulhadeeth.com

دعاء مانگنے کا قرآنی اصول

اللہ رب العالمین کا فرمان ذی شان ہے :
﴿اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ [الأعراف: ٥٥]
اپنے رب کو تضرع کے ساتھ چپکے چپکے پکارو۔ یقینا وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے دعاء مانگنے کا ایک عمومی قاعدہ ذکر فرمایا ہے کہ دعاء:

۱۔ تضرع یعنی گڑگڑا کر ،

۲۔ اور خفیہ طور پر ، چپکے چپکے کی جائے۔

اور ساتھ ہی رب العزت نے اس قاعدہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو معتدین یعنی زیادتی کرنے والے قرار دیتے ہوئے ان سے عدم محبت کا اعلان فرمایا ہے۔

یعنی دعاء کرنے کا عمومی قانون یہی ہے کہ اللہ تعالی سے اس انداز میں دعاء کی جائے کہ کسی کو دعاء کرنے والے کا علم نہ ہو ، دعاء کرنے والا خفیہ طور پر چپکے چپکے دعاء کرے۔ تو اس قانون کی رو سے دعاء کے لیے ہاتھ اٹھانا بھی ممنوع قرار پاتا ہے اور بآواز بلند دعاء کرنا بھی ناجائز ٹھہرتا ہے۔

لیکن بسا اوقات کچھ چیزیں عمومی قانون اور قاعدہ کلیہ سے مستثنی بھی ہوتی ہیں۔ بالکل اسی طرح خفیہ طور پر دعاء کرنے کے اس اصول سے کچھ دعائیں مستثنی ہیں۔ اور جسے بھی عمومی اصول یا کلی قاعدہ سے استثناء حاصل ہو، اسکے لیے دلیل درکار ہوتی ہے۔ بغیر دلیل کے کسی چیز کو عمومی اصول سے مستثنی نہیں کیا جا سکتا۔

لہذا وہ تمام تر ادعیہ جن کے لیے ہاتھ اٹھانا نبی مکرم ﷺ سے ثابت ہے ، یا جو دعائیں بآواز بلند کرنا آپ ﷺ سے منقول ہے وہ (بقیہ :صفحہ نمبر۴۳)





بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ (3)

سلسلہ وار مجلہ 4

أهل الحديث

ملتان www.ahlulhdeeth.com

بیاد استاذ العلماء حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہ اللہ

مدیر: محمد رفیق طاہر

نضر الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه

جلد: ۱ | رجب، شعبان ۱۴۳۵ھ | شمارہ: ۴

الفہرست

زرتعاون

فی شمارہ: 25 روپے

سالانہ: 150 روپے

عام ڈاک: 200 روپے

رجسٹرڈ ڈاک: 300 روپے

خط و کتابت

مرکز أهل الحديث

عثمان غنی روڈ، مکہ ٹاؤن، ملتان

سرکولیشن منیجر محمد اشفاق یونس

0347-7003080

مقام اشاعت

مرکز أهل الحديث

عثمان غنی روڈ، مکہ ٹاؤن، ملتان

برائے رابطہ:

mujallah@ahlulhdeeth.com 0347-7003080 0321-7302283





ابو عبد الرحمن محمد رفیق طاہر..... مدیر مرکز اہل الحدیث ملتان

دین کی عصری تعبیر

آج اگر کوئی اجماع صحابہ،اجماع امت کو مد نظر رکھتے ہوئے اور فہم سلف کے گہرے مطالعے کے بعد قرآنی آیات یا احادیث مبارکہ کی عصری تعبیر کرنے لگے تو وہ ضالین میں شمار ہو گا؟ نعمان نیرّ کلاچوی

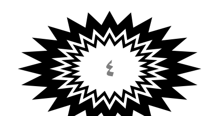
الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب واليه المرجع والمآب

اگر اس تجدید وتعبیر سے کتاب وسنت کی مخالفت نہ ہو اور اس تعبیر پر کتاب وسنت سے کوئی دلیل موجود ہو تو درست ہے ، وگرنہ ضلالت وگمراہی ہے۔ یاد رہے کہ اس تعبیر جدید کے نام پر بہت سے لوگ ضال و مضل بن چکے ہیں ، اور نوبت انکار حدیث بلکہ انکار قرآن تک جا پہنچی ہے

دین کی تعبیر اور مجتہد کی غلطی

کوئی مجتہد یا فقیہ بھلا کیوں کر ایسی تعبیر پیش کرے گا جو سرا زسر دین کے خلاف ہو البتہ اگر غلطی سے ایسا ہو بھی جائے تو پھر کیا اسے ہم اس فقیہ کی فہمی یا اجتہادی غلطی نہیں کہیں گے یا پھر اسے مطلق گمراہ کہیں گے؟ نعمان نیرّ کلاچوی

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب واليه المرجع والمآب



آپ صرف تعبیر کی بات کررہے ہیں یہاں تحریف اور تبدیل تک نوبت آجاتی ہے۔جہاں تک اس کی وجہ کی بات ہے تو اس کی بہت ساری وجوہات ہیں۔مثلا ایک وجہ یہ ہے کہ آج کے مفکرین نے اپنے آپ کو اسلام کا ٹھیکے دار سمجھ لیا ہے ، اور اسلام کی اصل تعلیمات پر کیئے گئے اعتراضات میں سے کسی اعتراض کا جواب نہیں بن پاتا تو اسے بدل دیتے ہیں۔مثلا:

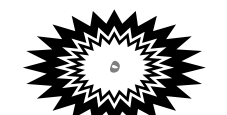
دجال پر اعتراض کہ دجال اگر ہے تو کہاں ہے پوری دنیا میں تو کہیں نظر نہیں آتا۔اب مفکرین کے پاس اس کا جواب نہیں تو انہوں نے اس کی تعبیر ہی بدل دی۔اسی طرح مرتد کی سزا پر اعتراض کہ یہ تو زبردستی مذہبی بنانے والی بات ہے اب اس کا جواب نہیں بن پڑا تو اسے ہی بدل دیا۔

حالانکہ سلف صالحین کا معاملہ یہ تھا کہ جب کسی اعتراض کا جواب نہیں آتا تواپنے سے بڑے عالم سے رجوع کرتے تھے لیکن آج کا ہر مفکر اپنے آپ کو کسی سے کم سمجھتا ہی نہیں۔

لہذاکسی بھی مجتہد کے لیے لازم ہے کہ وہ کتاب وسنت کی کسی بھی نص کی تعبیر کے لیے کتاب وسنت کی کسی دوسری نص یا کسی بھی نص میں موجود دلالت یا اشارہ یا اقضاء کا سہارا لے ، جب وہ ایسا کرے گا تو اسکے نتیجہ میں اگر اسکا اجتہاد غلطی پر بھی مبنی ہو ا تو بھی وہ ماجور ہی ہو گا ، لیکن اگر وہ کسی بھی نص کی تعبیر کرتے ہوئے کتاب وسنت کے دلائل کا سہارا لیے بغیر اپنی من مانی تفسیر و توجیہ کرے گا تو اسکی غلط تعبیر کتاب وسنت کی مخالفت کہلائے گی !

تعبیر کے لیے کتاب وسنت کی شرط کیوں؟

تعبیر کیلئے بھلا کتاب وسنت کی دلیل کس طرح لازمی ہے اس طرح پھر فہم فقیہ یا مجتہد کی کوئی حیثیت باقی رہتی ہے؟ نعمان نیر کلاچوی



الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب واليه المرجع والمآب

تعبیر کے لیے بھی کتاب وسنت کی دلیل لازم ہے کیونکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے :

اتبعوا ما أنزل إليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه أولياء قليلا ما تذكرون

جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس ہی کی پیروی کرو اور اس نازل شدہ وحی کے سوا دیگر اولیاء کی پیروی مت کرو ، تم کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔ (الأعراف :۳)

پھر ان تعبیری اختلافات کا حل بھی اللہ نے یہ بتایا ہے کہ :

فإن تنازعتم في شيء فردوه إلى الله والرسول (النساء : ۵۹)

اگر تم کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے اللہ اور اسکے رسول کی طرف لوٹا دو۔

تو یقینا تعبیر و تفسیر وتوجیہ و تأویل کے درست اور غلط ہونے کا فیصلہ اللہ نے کتاب وسنت کے سپرد کر رکھا ہے۔لہذا ضروری ہے کہ کتاب وسنت کی مطابق اور کتاب وسنت کے دلائل سے مزین تعبیر کو مانا جائے اور باقی سب تعبیرات کو بالائے طاق رکھ دیا جائے !

ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر ہوا کرتی ہے اور ایک حدیث دوسری حدیث کی تشریح ہوتی ہے۔آج مفکرین کاحال یہ ہے کہ صرف ایک حدیث لیکر اس کی من مانی تعبیر شروع کردیتے ہیں جب کی دیگر احادیث اس تعبیر کے خلاف ہوتی ہیں۔

اور یاد رہے کہ اجتہاد مسائل کو گھڑنے کا نام نہیں بلکہ مسائل کے دلائل کتاب وسنت سے تلاش کرنے کا نام ہے !!!۔آج لوگوں نے فقاہت واجتہاد کے نام پر مسائل گھڑنے کی فیکٹریاں لگا رکھی ہیں یہ دین کی خدمت نہیں ، اور نہ ہی یہ فقاہت ہے اور نہ ہی اجتہاد بلکہ یہ دین سازی اور مسائل گری ہے !

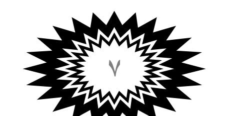


کتاب وسنت کی تشریح میں اقوال صحابہ کی حیثیت

آپ نے ایک جگہ پر لکھا ہے کہ صحابہ کے اقوال دین میں حجت نہیں ہیں، تو کیا قرآن و حدیث کی تشریح میں بھی ان کے اقوال حجت نہیں؟ مثلا، اگر کوئی صحابی کسی حدیث یا آیت کی تشریح کرے، تو کیا اسے اسی مطلب پر اپنانا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب واليه المرجع والمآب

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فقہ واجتہاد اور فہم فراست مسلمہ ہے۔انکے اجتہادات و تشریحات امت کے تمام تر لوگوں کے اجتہادات و تشریحات سے بہتر ہیں۔لیکن بہر حال انکی حیثیت ایک مجتہد کی ہی ہے ، شارع کی نہیں! لہذا جس طرح دیگر مجتہدین کے اجتہاد میں صواب و خطأ کا احتمال ہے ، ایسے ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اجتہادات میں بھی صواب اور خطأ دونوں کا احتمال موجود ہے۔کسی بھی نص کی تشریح و توضیح یا تو دوسری نص شرعی سے ہی ہوتی ہے یا پھر شارح کے اپنے اجتہاد سے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بیان کردہ نصوص شرعیہ کی توضیحات و تشریحات بھی ان دونوں اقسام سے تعلق رکھتی ہیں۔لہذا جب کوئی صحابی اپنے اجتہاد سے کسی شرعی نص کی توضیح و تشریح فرمائیں تو اس میں درستگی اور غلطی دونوں باتوں کا احتمال موجود ہوتا ہے۔تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توضیحات وتشریحات بھی دین میں حجت نہیں ہیں ۔البتہ یہ ضرورہے کہ انکی توضیح و تشریح ہماری توضیح و تشریح سے زیادہ بہتر ہے ، لہذا ہم اپنی رائے کو انکی رائے پر بلا دلیل ترجیح نہیں دےسکتے! لیکن جب مضبوط دلیل مل جائے تو ہم اپنی آراء کو انکی آراء پر بلا تردد ترجیح دینے کے حقدار ہیں۔



میت کے ہاں اجتماعی دعائے مغفرت

ابو عبد الرحمن الطاہر

مارچ ۲۰۱۴ کے ضیائے حدیث میں محترم جناب ابو عبد اللہ شعیب حفظہ اللہ نے **"تعزیت میں میت کے لیے دعائے مغفرت"** کے عنوان سے ایک جارحانہ مضمون تحریر فرمایا، اگر موصوف اسی عنوان کے تحت رہتے تو شاید ہمیں یہ چند سطور تحریر نہ کرنا پڑتیں۔ لیکن ہمارے ممدوح نے دعائے مغفرت کے عنوان کے تحت **"میت کے ہاں جمع ہو کے ہاتھ اٹھا کر اجتماعی"** دعائے مغفرت کا جواز کشید کرنے کی سعی فرمائی ہے، جسے عموما **"کلام بخشو "** سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن ہماری سمجھ کے مطابق موصوف کے پیش کردہ دلائل سے **" مروجہ اجتماعی دعائے مغفرت"** ثابت نہیں ہوتی۔ دلائل اور ان سے استنباط کے سوا موصوف نے مضمون میں جو باتیں شامل فرمائی ہیں ہم انکی جانب عبث ہونے کی بناء پر التفات نہیں کریں گے۔

محترم نے اپنے موقف کے اثبات کے لیے تین دلائل پیش فرمائے ہیں:

پہلی دلیل:

ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے رجم ہو جانے کے بعد لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے کچھ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ اس کے گناہ نے اسے ہلاک کر دیا اور کچھ یہ کہہ رہے تھے کہ ماعز سے بہتر بھی بھلا کسی کی توبہ ہو گی، کہ اس نے اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کر دیا۔

ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ جُلُوسٌ، فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: فَقَالُوا: غَفَرَ اللهُ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ

(صحیح مسلم:۱۶۹۵)

پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور لوگ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے سلام کہا پھر بیٹھ کر فرمانے لگے ماعز بن مالک کے لیے استغفار کرو تو سب نے کہا: اللہ ماعز بن مالک کو



معاف فرمائے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے ایک امت میں بھی تقسیم کر دیا جائے تو انہیں کافی ہو جائے گی۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان مختلف فیہ مسئلہ کو حل فرمادیا کہ اسکی غلطی نے اسے ہلاکت میں نہیں ڈالا بلکہ اسکی توبہ اعلیٰ ترین توبہ ہے لہذا تم بھی اسکے لیے استغفار کرو تو صحابہ بلا تاخیر فوراہی کہہ دیا کہ اللہ اسے بخشے۔

اس حدیث میں نہ تو مروجہ اجتماعی دعاء کا ثبوت کہ ایک شخص دعاء کروائے اور باقی سب اس کی دعاء پر آمین کہیں۔ اور نہ ہی ہاتھ اٹھانے کا کوئی اشارہ ہے، اور نہ ہی میت کے گھر اکٹھ کا کوئی تذکرہ۔ جبکہ اسکے برعکس حدیث مبارکہ میں یہ بات واضح ہے کہ جب لوگ کسی فوت شدہ کا تذکرہ کریں تو اہل بصیرت پر لازم ہے کہ لوگوں کو اسکے لیے دعائے مغفرت کا کہیں اور اس حدیث پر بحمد اللہ تعالیٰ تمام تر اہل الحدیث علماء وعوام کا عمل ہے کہ وہ بالکل اسی طرح مختصر الفاظ میں دعائے مغفرت کر دیتے ہیں جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کی۔ یہ کام تعزیت کے وقت بھی ہوتا ہے اور جب بھی اسکا ذکر خیر ہو اس طرح کے دعائیہ جملے کہے جاتے ہیں، مثلا: اللہ اس پر رحم فرمائے، اللہ بخشے، وغیرہ۔ اس قسم کے دعائیہ کلمات ہاتھ اٹھائے بغیر کہے جاتے ہیں اور سبھی کہتے ہیں یا پھر کسی ایک کے کہنے پر باقی آمین کہہ کر اس دعاء میں شامل ہو جاتے ہیں۔

الغرض دعاء کا وہ منظر جو موصوف نے مضمون کے آخر میں لکھوی خاندان کے ایک بزرگ کا واقعہ بیان کر کے پیش کیا، جسے اہل علم بدعت کہتے چلے آئے ہیں، وہ اس حدیث سے قطعا ثابت نہیں ہوتا۔

پھر موصوف نے اس پہلی حدیث کے بارہ میں اس بات کے رد میں کہ اس حدیث میں میت کے گھر میں جمع ہونے کا کوئی تذکرہ یا ثبوت نہیں، کافی گرم گرم باتیں تحریر فرمائیں



کہ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ تو اس بارہ میں عرض ہے کہ میت کے گھر جمع ہو کر بیٹھنا شریعت اسلامیہ میں حرام ہے۔

سیدنا جریر بن عبد اللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: كُنَّا نَعُدُّ الاِجْتِمَاعَ إِلَى أَہْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ (مسند احمد، ط الرسالۃ:۶۹۰۵)

ہم میت کو دفن کر دینے کے بعد اہل میت کے ہاں جمع ہونے اور (ان جمع شدہ لوگوں کے لیے) کھانا پکانے کو نوحہ میں سے شمار کرتے تھے۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اصحاب رسول کا مذکورہ بالا اجتماع میت کے گھر نہ تھا۔

دوسری دلیل:

ابو عامر رضی اللہ عنہ غزوہ اوطاس کے امیر تھے، انہیں تیر لگا جس سے وہ نڈھال ہو گئے تو انہوں نے ابو موسی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ نبی ﷺ کو میرا سلام کہنا اور میرے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا، اسکے کچھ ہی بعد وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ ابو موسی عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ جب واپس آئے تو وہ نبی ﷺ کے پاس گئے آپ ایک گھر میں کھجور سے بُنی چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا اور آپ ﷺ کی کمر اور پہلوؤں پر کھجور کی رسیوں کے نشانات تھے۔ انہوں نے ابو عامر کی خبر دی اور انکے دعائے مغفرت کی درخواست بھی پیش فرمائی: "فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ أَبِي عَامِرٍ. وَرَأَيْتُ بَيَاضَ إِبْطَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ القِيَامَةِ فَوْقَ كَثِيرٍ مِنْ خَلْقِكَ مِنَ النَّاسِ. فَقُلْتُ: وَلِي فَاسْتَغْفِرْ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهُ، وَأَدْخِلْهُ يَوْمَ القِيَامَةِ مُدْخَلًا كَرِيمًا" (بخاری:۴۳۲۳، مسلم: ۲۴۹۸)

تو نبی کریم ﷺ نے پانی منگوایا اور اس سے وضوء فرمایا پھر کچھ دیر بعد آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہا اے اللہ! ابو عامر عبید کو معاف فرما دے۔ ابو موسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے بغلوں کی سفیدی دیکھی، پھر کچھ دیر بعد آپ ﷺ نے فرمایا اللہ قیامت کے دن اسے اپنی مخلوق میں سے بہت سے لوگوں پر فوقیت عطاء فرما۔ تو میں نے

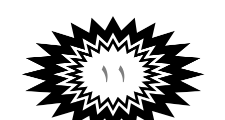
عرض کیا اور میرے لیے بھی استغفار فرمادیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! عبد اللہ بن قیس کے گناہ معاف فرما اور اسے روزِ قیامت، عزت والی جگہ میں داخل فرما۔

یعنی عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو عامر رضی اللہ عنہ کی دعائے مغفرت کی درخواست پیش فرمائی تو آپ ﷺ نے انکے لیے ہاتھ اٹھا کر دعاء کی اور پھر اسکے بعد مزید دعاء بھی فرمائی۔ اور پھر عبد اللہ بن قیس ابو موسی رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے دعاء کا کہا تو آپ ﷺ نے انکے لیے بھی دعاء فرمادی۔

اس حدیث مبارکہ میں ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا ذکر تو ہے لیکن میت کے گھر جمع ہونے کا یا اجتماعی دعاء کا کوئی تذکرہ نہیں! جسے موصوف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ اسکے برعکس یہ ذکر ہے کہ میت کا ولی یا قاصد خود نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا ہے اور دعاء کی درخواست کی ہے، تو آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعاء فرمادی۔ بحمد اللہ تعالی اس حدیث پر بھی اہل الحدیث علماء وعوام کا من وعن عمل ہے کہ جب بھی کوئی دعاء کی درخواست کرتا ہے، اگر مناسب ہو تو اسکے لیے اسی وقت دعاء کر دی جاتی ہے۔ ایسے ہی میت کے لیے بھی جب کوئی دعائے مغفرت کا کہے تو اسکے لیے بھی ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جاتی ہے۔

یاد رہے کہ دعاء کے مطالبہ پر فوراً ہی دعاء کر دینا ضروری نہیں ہے اس میں تاخیر بھی کی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ اسی حدیث سے واضح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعاء کے مطالبہ کے بعد فوراً ہی ہاتھ نہیں اٹھا لیے بلکہ کچھ دیر بعد ہاتھ اٹھائے۔ کیونکہ لغت عرب میں "ف" تعقیب مع الوصل اور "ثم" تعقیب مع التراخی کے لیے آتا ہے، اور یہاں بھی لفظ "ثم" استعمال کیا گیا ہے، جسکا معنی 'کچھ دیر بعد' بنتا ہے۔ اگر لفظ 'ف' مستعمل ہوتا تو معنی بنتا 'فوراً بعد'۔

رہا یہ سوال کہ میت کے گھر میں ایسا کیوں نہیں تو اسکا جواب سابقہ سطور میں گزر چکا ہے کہ میت کے گھر میں جمع ہونا اور ان جمع شدہ لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنا نوحہ میں سے ہے جسے شریعت اسلامیہ نے حرام قرار دیا ہے۔



الغرض اس روایت سے بھی موصوف جس مروجہ بدعی اجتماعی دعاء کو ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ ثابت نہیں ہوتی ! ۔ کیونکہ یہ حدیث نہ تو اجتماعی دعاء پر دلالت کرتی ہے اور نہ ہی میت کے گھر اکٹھ پر اس میں کوئی دلیل ہے۔ جبکہ ان دونوں باتوں کے برعکس یہ حدیث انفرادی دعاء اور غیر میت کے گھر ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

تیسری دلیل:

جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکے گھر تشریف لے گئے آپ ﷺ نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بند فرمائیں اور فرمایا کہ جب روح قبض ہوتی ہے تو آنکھیں اسکا پیچھا کرتی ہیں۔ یہ بات سن کر انکے گھر والے چیخنے لگے تو نبی ﷺ نے فرمایا اپنے لیے بھلائی ہی مانگو، کیونکہ جو کچھ بھی تم کہتے ہو، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا"اللهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِي سَلَمَةَ، وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي الْمَهْدِيِّينَ، وَاخْلُفْهُ فِي عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِينَ، وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهُ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ، اللهُمَّ افْسَحْ فِي قَبْرِهِ وَنَوِّرْ لَهُ فِيهِ " (صحیح مسلم:۹۲۰)

اے اللہ ابو سلمہ کو معاف فرمادے، اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اسے بلند مقام عطا فرما، اور اسکے بعد اسکے اہل وعیال میں اسکا خلیفہ بن جا، اوراے رب العالمین اسے اور ہمیں معاف فرمادے، اے اللہ اسکی قبر کو کشادہ فرمااور اسکے لیے اس میں روشنی کردے۔

اس حدیث مبارکہ میں بھی نہ تو ہاتھ اٹھانے کا کوئی تذکرہ ہے اور نہ ہی اجتماعی دعاء کا کوئی ثبوت۔ صرف اتناہے کہ آپ ﷺ نے اہل میت کو جزع فزع کرنے سے منع کیا اور اچھی دعاء کرنے کا کہا اور خود بھی میت کے لیے دعاء فرمائی۔ بحمد اللہ تعالی وتوفیقہ اس حدیث پر بھی من وعن تمام تر اہل الحدیث عوام اور علماء کا عمل ہے کہ جب بھی کسی میت کے گھر پہنچتے ہیں، اسکی آنکھیں اگر کھلی ہوں تو بند کر دی جاتی ہیں، جزع فزع کرنے والوں کو روکا جاتا ہے، اور



میت کے لیے بخشش ورحمت کی دعاء کی جاتی ہے۔ لیکن نہ جانے موصوف کو ان مسکینوں پر کیا غصہ تھا جو اسی مضمون میں نکال دیا۔

حاصل بحث:

میت کے لیے دعاء مغفرت کرنا ثابت ہے، اور یہ دعائے مغفرت ورحمت میت کے گھر بھی کی جاسکتی ہے اور باہر بھی، اور میت کے لیے دعاء مغفرت کی درخواست پر ہاتھ اٹھا کر بھی دعاء کی جاسکتی ہے۔ لیکن میت کے گھر جمع ہونا، اور اجتماعی دعاء کرنا، کتاب وسنت سے ثابت نہیں، بلکہ بدعت ہے۔

اور موصوف نے اہل الحدیث پر "دعائے مغفرت کے منکر" ہونے کا جو الزام دھرا ہے، وہ بالکل ویسا ہی ہے جیسا کہ کچھ لوگ اہل الحدیث کو نبی ﷺ کے منکر، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے منکر، یا اولیاء کے منکر کہتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اسکے بالکل برعکس ہوتا ہے کہ اہل الحدیث، نبی ﷺ کے منکر نہیں بلکہ وہ نبی کو نبی ہی مانتے ہیں اور نبوت والا درجہ دیتے ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ غالیوں کی طرح نبی مکرم ﷺ کی شان بڑھا کر انہیں خدا کے برابر نہیں مانتے۔ ایسے ہی اہل الحدیث صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی مانتے ہیں، لیکن انہیں صحابی ہی تسلیم کرتے ہیں اور صحابی کا رتبہ ودرجہ اور مقام دیتے ہیں، اہل غلو کی طرح انکا رتبہ بڑھا کر انہیں شریعت سازی کا اختیار نہیں دیتے، انکی حیثیت نبی ﷺ کی حیثیت کے برابر نہیں سمجھتے۔ بالکل اسی طرح اولیاء و ائمہ، فقہاء ومحدثین اور سلف صالحین کے بارہ میں انکا یہی منہج ہے کہ انہیں انکے رتبہ کے مطابق مقام ومرتبہ دیتے ہیں، اس میں غلو سے بچتے ہیں۔ اسی غلو سے اجتناب کی بناء پر اہل فتنہ، اہل الحدیث کو "منکر" جیسے لقب سے نوازتے ہیں۔ حالانکہ اہل الحدیث ان ہستیوں کے منکر نہیں بلکہ ان کے مقام ومرتبہ اور شان وعظمت میں "غلو" کے منکر ہیں۔

اللہ تعالی حق کو سمجھنے اور اپنانے کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین)

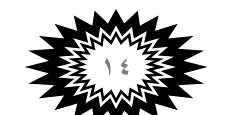


مسیحی عقیدہ تثلیث پر ایک نظر

عبد المالک ملتانی

مسلمان یہ محکم اور ٹھوس عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ ہے۔ اس کی ذات وصفات، افعال وکمالات، جلال وجمال اور کسی خوبی میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ ﴿الصَّمَدُ﴾ (بے نیاز) ہے۔ ساری کائنات اس کی محتاج ہے، مگر وہ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ ازلی اور ابدی ہے۔ نہ اس کی ابتداء ہے، اور نہ اس کی انتہا۔ اس پر موت وفنا طاری ہو سکتی ہے اور نہ اونگھ اور نیند۔ نہ اس کی کوئی ماں ہے اور نہ باپ۔ نہ ہی اس کی کوئی بیوی ہے اور نہ ہی اولاد۔ وہ ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ ہے۔

اس کے برعکس مسیحیت اس کلیہ کی قائل اور اس کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتی ہے کہ خدائی کے تین اجزاء ہیں، جن کو وہ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں۔ (باپ، بیٹا اور روح القدس) اور بعض کے نزدیک بجائے روح القدس کے مریم علیہا السلام بھی اقانیم کا ایک جزء ہیں۔ ان تینوں سے مل کر جمہوری نظام اور پارلیمنٹ کی طرح اُلوہیت اور خدائی نظام چلتا ہے اور باجودیکہ ان میں سے ہر ایک کی ذات جدا اور الگ ہے اور ایک دوسرے سے بالکل ممتاز ہے، مگر تینوں کچھ ایسے انداز سے ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہیں کہ یہ توحید کے منافی بھی نہیں اور «التوحيد في التثليث والتثليث في التوحيد» کہ ایک تین اور تین ایک کی لاینحل چیستان اور نرالہ معمہ خود پادری صاحبان کی سمجھ سے بالاتر ہے اور وہ بے چارے خود اس کے سمجھنے سے بالکل قاصر ہیں۔ ان کا یہ عقیدہ نقلاً اور عقلاً ہر لحاظ سے سراسر باطل اور بالکل بے بنیاد ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اتمام حجت کے لیے نقل کو صرف کتاب مقدس بائبل تک محدود رکھیں تاکہ دنیائے مسیحیت کو بھی سوچنے سمجھنے کا موقع ملے اور ٹھنڈے دل کے ساتھ وہ اس پر غور کر سکیں کہ وہ کن بھول بھلیوں میں مبتلا ہو کر خالص شرک کو توحید کا نام دے کر اپنی عاقبت ضائع اور برباد کر رہے ہیں۔ بائبل میں کہیں بھی تثلیث کا لفظ اور اس کا عقیدہ رکھنا یا ایک تین اور تین ایک کا ذکر نہیں آیا۔ بخلاف اس کے آج کی محرف بائبل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ خداوند صرف اکیلا اور واحد خدا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔



عہد نامہ عتیق (پرانے) میں توحید باری تعالیٰ کا اس طرح اقرار کیا گیا کہ ”رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ: ”میں ہی اول ہوں، اور میں ہی آخر ہوں، اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔“ (یسعیاہ، ۶:۴۴)

”سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔“ (استثناء، ۴:۶)

”کیونکہ خداوند کے سوا اور کون خدا ہے؟“ (سموئیل ۲، ۳۲:۲۲)

”کیا ایک ہی خدا نے ہم سب کو پیدا نہیں کیا؟“ (ملاکی، ۱۰:۲)

”اے خداوند! تیرا کوئی نظیر نہیں۔“ (یرمیاہ، ۶:۱۰)

”تیرا ہمتا کوئی نہیں“ (یرمیاہ، ۷:۱۰)

نئے عہد نامہ میں یسوع علیہ السلام کہتا ہے کہ: ”اے اسرائیل! سن خداوند، ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔“ (مرقس، ۲۹:۱۲)

”تم جو ایک دوسرے سے عزت چاہتے ہو، اور وہ عزت جو خدائے واحد کی طرف سے ہوتی ہے، نہیں چاہتے کیونکر ایمان لا سکتے ہو؟“ (یوحنا، ۴۴:۵)

”اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح علیہ السلام کو جسے تو نے بھیجا ہے، جانیں۔“ (یوحنا، ۳:۱۷)

”یسوع علیہ السلام نے اس سے کہا: اے شیطان! دور ہو کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔“ (متی، ۱۱:۴)

عجیب بات ہے کہ بائبل میں اس کا بھی ذکر موجود ہے کہ یسوع مسیح علیہ السلام جو اقانیم ثلاثہ کا ایک جزء ہیں، پر تھوکا بھی جاتا ہے اور ان سے ٹھٹھا بھی کیا جاتا ہے اور وہ اس ذلت اور رسوائی کو برداشت بھی کرتے ہیں، مگر ان کی الوہیت اور خدائی کو ذرا بھی جوش نہیں آتا کہ اپنے دشمنوں اور موذیوں کا بیڑا ہی غرق کر دیتے اور اپنے آپ کو اس سزا سے بچا لیتے۔ انصاف سے فرمایئے کہ جب وہ اپنے لیے بچاؤ کا انتظام نہ کر سکے اور بالآخر بقول مسیحیت مصلوب ہو گئے تو مسیحیوں کے لیے بھلا وہ کیا اور کیونکر انتظام کر سکتے ہیں؟



چنانچہ (انجیل متی، باب: ۲۶، آیت: ۱۴، ۱۵، ۱۶) میں ہے کہ: ''اس وقت ان بارہ میں سے ایک نے جس کا نام یہوداہ اسکریوتی تھا، سردار کاہنوں کے پاس جاکر کہا کہ اگر میں اسے (یسوع علیہ السلام) کو تمہارے حوالے کر دوں تو مجھے کیا دوگے؟ انہوں نے اسے تیس روپے تول کر دیے اور اس وقت سے اسے پکڑوانے کا موقع ڈھونڈنے لگا۔'' چنانچہ انجیل مرقس اور متی میں بھی لکھا ہے کہ یسوع علیہ السلام نے گرفتار ہونے والی رات شاگردوں کو جاگنے اور دعا کرنے کا حکم دیا مگر وہ پطرس سمیت سوئے رہے۔

(متی،۲۶:۴۱تا۴۲، مرقس،۱۴:۳۷تا۴۲)

آخر اسی مایوسی کے عالم میں ہی تھے کہ ''فی الفور یہوداہ جو ان بارہ میں سے تھا، اور اس کے ساتھ ایک بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لیے ہوئے سردار کاہنوں اور فقیہوں اور بزرگوں کی طرف سے آپہنچی اور اس کے پکڑوانے نے انہیں یہ نشان دیا تھا کہ جس کا میں بوسہ لوں، وہی ہے۔ اسے پکڑ کر حفاظت سے لے جانا۔ وہ آکر فی الفور اس کے پاس گیا اور کہا: اے ربی! سلام۔ اور اس کے بوسے لیے۔ یسوع علیہ السلام نے اس سے کہا: میاں! جس کام کو آیا ہے، وہ کرلے۔ اس پر انہوں نے پاس آکر یسوع علیہ السلام پر ہاتھ ڈالا اور اسے پکڑ لیا۔ (متی،۲۶:۴۸تا۵۰، مرقس،۱۴:۴۴،۴۵، لوقا،۲۲:۴۷،۴۸)

جب یسوع مسیح علیہ السلام کو گرفتار کرلیا گیا تو آسمانی باپ کی مرضی پر چلنے والے یسوع علیہ السلام کے ''سب کے سب شاگرد ان کو چھوڑ کر بھاگ نکلے۔'' (متی، ۲۶:۵۶)

''ایک اپنی چادر چھوڑ کر ننگا ہی بھاگ نکلا۔'' (مرقس،۱۴:۵۲)

اور پھر پطرس نے بھرے مجمع میں حلفیہ بیان دیا کہ میں تو مسیح ناصری علیہ السلام کو جانتا تک نہیں، چنانچہ لکھا ہے کہ: ''اس نے قسم کھا کر پھر انکار کیا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔ تھوڑی دیر کے بعد جو وہاں کھڑے تھے، انہوں نے پطرس کے پاس آکر کہا: بے شک تو بھی ان میں سے ہے، کیونکہ تیری بولی سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس پر وہ لعنت کرنے لگا اور قسم کھائی کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا۔''

(متی،۲۶:۷۲تا۷۴، مرقس،۱۴:۷۰،۷۱، لوقا،۲۲:۵۴تا۶۱)



یہ تھا وہ پیارا اور آسمانی باپ کی مرضی پر چلنے والا شاگرد جو جھوٹی قسم کے علاوہ لعنت کرنے پر بھی اتر آیا۔ جس نے بالآخر اس پر عمل کر کے یسوع علیہ السلام کی شناخت سے رہائی حاصل کی اور جن لوگوں نے یسوع مسیح علیہ السلام کو گرفتار کیا تھا، انہوں نے ان کی انتہائی تحقیر و تذلیل بھی کی تھی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ”انہوں نے اسے ارغوانی چوغہ پہنایا اور کانٹوں کا تاج بنا کر اس کے سر پر رکھا اور اسے سلام کرنے لگے کہ اے یہودیوں کے بادشاہ! آداب! اور وہ اس کے سر پر سرکنڈا مارتے اور اس پر تھوکتے اور گھٹنے ٹیک ٹیک کر اسے سجدہ کرتے رہے۔ (مرقس،۱۵:۱۷تا۱۹، متی،۲۷:۲۸تا۳۰)

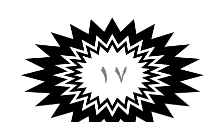
اور جو آدمی یسوع علیہ السلام کو پکڑے ہوئے تھے، اس کو ٹھٹھوں میں اڑاتے اور مارتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس سے پوچھتے تھے کہ نبوت سے بتا، تجھے کس نے مارا؟ اور انہوں نے طعنہ سے اور بھی بہت سی باتیں اس کے خلاف کہیں۔

(لوقا،۲۲:۶۳تا۶۵)

یہ ساری کاروائی یسوع مسیح علیہ السلام کے آسمانی باپ کی مرضی پر چلنے والے جانثار شاگرد ماتھے پر ٹکی ہوئی دو آنکھوں سے دیکھتے رہے، مگر ان کی غیرتِ ایمانی میں بالکل جنبش پیدا نہ ہوئی اور نہ انہوں نے اپنے محترم استاد کے لیے کسی قسم کی کوئی قربانی ہی دی، حتیٰ کہ بعض تو ان کی جان پہچان اور شناخت سے بھی قسم اٹھا کر بیزار ہو گئے اور الٹا لعنت کرنے پر اتر آئے۔ یہ وہی شاگرد ہیں جن کو یسوع مسیح علیہ السلام نے ماں، بہن اور بھائی کہا تھا۔ (متی،۱۲:۴۹،۵۰)

اور ان کی وجہ سے اپنی حقیقی والدہ اور مفروض بھائی سے بات کرنا بھی گوارا نہ کی، مگر افسوس! کہ آڑے وقت وہ بھی کام نہ آئے اور یسوع علیہ السلام کو پکڑا کر ہی دم لیا اور سب شاگرد بھاگ نکلے۔

بہر حال جب یہودی یسوع مسیح علیہ السلام کو پکڑ کر مصلوب کرنے کے لیے لے گئے تو وہ چِلّا چِلّا کر اپنے خدا کو پکارنے لگے اور اس سے مدد کی درخواست کی ” اور منہ کے بل گر کر یہ دعا کی کہ اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔“ (متی،۲۶:۳۹)



”اور تیسرے پہر کے قریب یسوع علیہ السلام نے بڑی آواز سے چِلّا کر کہا:
«ایلی ایلی لما شبقتنی» یعنی ”اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟“
(متی،۲۷:۴۶،مرقس،۱۵:۳۴)

ان تمام واضح اور صریح آیات میں واحد اور اکیلے خدا کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے اور اس آخری حوالے سے صاف طور پر یہ بات واشگاف ہو جاتی ہے کہ یسوع مسیح علیہ السلام خدا نہ تھے، ورنہ وہ خدا ہو کر مصلوب ہوتے وقت کسی دوسرے خدا کے سامنے دامنِ سوال اور دستِ دعا کیوں پھیلاتے اور خدا ہو کر بقولِ مسیحیت مصلوب کیوں ہوتے؟

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر خدا اور مسیح میں پورا اتحاد اور یگانگت تھی تو جب یسوع مسیح علیہ السلام مصلوب ہوئے تو ساتھ ہی خدا بھی مصلوب ہو گیا۔ حالانکہ خدا غالب ہوتا ہے، مغلوب کبھی نہیں ہو سکتا۔ تو اب مسیحیت خدا کے وجود سے محروم ہو گئی اور اگر خدا اور یسوع علیہ السلام ذات کے لحاظ سے الگ الگ اور جدا جدا تھے تو پھر ایک تین اور تین ایک یعنی «التوحید في التثلیث اور التثلیث في التوحید» کی رَٹ جو دنیائے مسیحیت لگائی ہے، بالکل باطل ہو گئی۔

پھر یہ بات بھی سوچنے کے لائق ہے کہ جب یسوع مسیح علیہ السلام کی ولادت نہیں ہوئی تھی تو کیا اس وقت خدا کی خدائی ناقص اور نا تمام تھی؟ کیونکہ ایک اقنوم اور خدائی جزو تو ابھی پیدا نہیں ہوا تھا، پھر تکمیلِ خدائی کیسی؟ اور اس طرح مریم علیہا السلام یا روح القدس کے اس عالمِ وجود میں آنے سے پہلے کیا خداوند کی خدائی نامکمل تھی؟ اگر نامکمل تھی تو خداوند نے زمین، آسمان اور دیگر کائنات کیسے پیدا کر لی؟ بلکہ اس ناقص اور ناتمام خداوند نے (العیاذ باللہ) روح القدس، مریم علیہا السلام اور یسوع مسیح علیہ السلام کو کیسے پیدا کر لیا؟ اور اگر اس کی خدائی اس وقت بھی کامل اور مکمل تھی اور وہ تمام اختیارات کا مالک تھا اور اس نے اسی قدرت اور اختیار سے سب کائنات کو پیدا کیا تو پھر اس کی خدائی روح القدس، مریم علیہا السلام اور یسوع مسیح علیہ السلام کی محتاج کیوں ہو گئی؟ اور اس احتیاج کی ضرورت اور حاجت کیا پڑی؟ اور کیوں پڑی؟ اور پھر اقانیم ثلاثہ میں سے یسوع مسیح علیہ السلام کو تو مصلوب کیا گیا



(بقولِ مسیحیت) اور مقدس مریم علیہا السلام "سچ مچ خدا کی ماں" (مسیحی تعلیم، صفحہ: ۲۷، شائع کنندہ: پنجاب ورنیکلر کیتھولک سوسائٹی، لاہور) انتقال کر گئیں تو فرمایئے کہ اب اکیلا خداوند بندوں کے کیا کام آئے گا؟

دوسرے دن جب وہ (یسوع علیہ السلام) بیت عنیہ ہ ںاسے نکلے تو اسے بھوک لگی اور وہ دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے، دیکھ کر گیا کہ شاید اس میں کچھ پائے مگر جب اس کے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔ اس نے اس سے کہا: آئندہ کوئی تجھ سے کبھی پھل نہ کھائے اور اس کے شاگردوں نے سنا۔ (مرقس، ۱۱: ۱۲ تا ۱۴)

غور فرمایئے! کہ خدا تو ایسا ہونا چاہیے کہ اسے بھوک بھی ستائے اور سیر شکمی کے لیے وہ بے قرار بھی ہو اور انجیر کے درخت پر لپک کر وہ آتشِ جوع بجھانے کے لیے جائے بھی لیکن اس خدا کو یہ بھی معلوم نہیں کہ انجیر کا تو موسم ہی نہیں، پھر بھلا انجیر کا پھل کہاں سے دستیاب ہو گا؟ اور جب وہ قریب پہنچتا ہو تو انجیر کے پتوں کے سوا اسے کچھ نظر نہ آتا ہو اور وہ بے چارے، بے قصور انجیر کے درخت پر اتنا رنجیدہ ہوا کہ اس کے حق میں بددعا کرتا ہو کہ آئندہ تجھ سے کوئی پھل نہ کھائے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب ماجرا شاگرد دیکھتے اور سنتے ہوں۔

ازروئے انصاف و دیانت یہ سوچیں کہ ایسے خدا کے سپرد اگر دنیا کا نظام کر دیا جائے اور اس سے امیدیں وابستہ رکھی جائیں تو دنیا کو اس سے کیا فائدہ حاصل ہو گا، جو خود یہ نہیں جانتا کہ آیا انجیر کا موسم ہے بھی یا نہیں؟ یہ خدائی کیا کرے گا؟

اہل اسلام کا کیا ہی مبنی بر انصاف عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اللہ کے نبی تھے اور ان کی والدہ محترمہ پاک اور صالحہ عورت تھی۔ خدائی صفات سے وہ ہرگز متصف نہ تھے بلکہ انسانی تمام لوازمات ان کے ساتھ بھی تھے اور وہ دونوں کھانا بھی کھایا کرتے تھے۔

﴿كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ﴾ [المائدة: ۷۵]

جبکہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جس کی قدرت ذرہ ذرہ میں ہے۔ چنانچہ لکھا ہے: "اور تاثیریں بھی طرح طرح کی ہیں، مگر خدا ایک ہی ہے، جو سب میں ہر طرح کا اثر پیدا کرتا ہے۔"

(نمبر ا کرنتھیوں، ۱۲: ۶)



ارض پاک پہ ہونے والے دھماکوں کی شرعی حیثیت

جابر علی عسکری

یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ان دھماکوں میں مسلمانوں کی بے شمار جانیں ضائع اور املاک تباہ کر دی جاتی ہیں جس کے نتیجہ میں اہل اسلام میں خوف وہراس پھیلتا ہے اور مسلمان ہی بدنام ہوتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی معیشت کا بھی ستیاناس ہوتا ہے اور سینکڑوں یتیموں اور بیواؤں کا بوجھ امت مسلمہ کے کندھوں پر آن پڑتا ہے۔ دشمن اہل اسلام کو داخلی طور پر کمزور دیکھ کر ان پر یلغاریں تیز کر دیتا ہے اور خانہ جنگی کی سی صورت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کفار کی خفیہ ایجنسیوں کو کُھل کھیلنے کا موقع ملتا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ سب دھماکے جو اسلامی ممالک اور بالخصوص پاکستان میں کیے جاتے ہیں، ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ مملکت خداداد پاکستان کو ایک غیر محفوظ ریاست ثابت کرکے اس کے جوہری اثاثوں کی حفاظت کے بہانے سے ہمیشہ کے لیے اس نعمت خداوندی سے محروم کر دیا جائے اور پھر اسلام کے اس قلعہ کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ کیونکہ دنیا میں جب کبھی کسی بھی جگہ مسلمانوں پر ظلم وستم ہوتا ہے تو ان کی نظریں پاکستان پر ہی جمتی ہیں کہ یہی وہ ملک ہے جہاں سے اسلام اور اہل اسلام کا دفاع ممکن ہے۔

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ جب بھی مسلمان مغلوب ہوئے ہیں تو کبھی کسی کافر نے بزور شمشیر انہیں مغلوب نہیں کیا بلکہ مسلمانوں میں ہی غدار پیدا کیے گئے اور اسلام کے قلعہ کی فصیل کبھی نہیں ٹوٹی بلکہ ہمیشہ اس کے دروازے اندر سے ہی کھولے گئے ہیں۔ اور آج بھی شریعت یا شہادت کے خوشنما نعرہ کے ساتھ خارجیوں کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے **فی سبیل اللہ** فساد کرنے والے شہیدی (خود کُش) حملوں کے نام پر سرزمین پاکستان کو آتش وآہن کی لپیٹ میں دیے ہوئے ہیں اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ



اے دنیا کے طاغوتو! ہم نے پاکستانیوں کو اندر سے الجھا رکھا ہے، اب تم ہمت کرو اور اس کی سرحدوں کو توڑ کر جلدی سے داخل ہو جاؤ تاکہ ہم تمہارے ساتھ مل کر شریعت نافذ کریں.

جی ہاں ! ائمۃ الکفر کے زیر سایہ شریعت اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان دھماکوں کے ماسٹر مائنڈز سے لے کر قتل ہونے والے خودکش بمباروں تک سب کے سب صرف مسلمانوں پر بارود برساتے ہیں اور انہوں نے کبھی آج تک بت پرستوں کو غصیلی آنکھ سے بھی نہیں دیکھا! ان کی دھمکیوں اور دھماکوں کا ہدف صرف رب ذوالجلال کے حضور سر بسجود ہونے والے لوگ ہی ہیں۔ بت کدوں کو تحفظ دینے کے لیے مساجد و مدارس کا استحصال ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ ارض پاکستان کو دار الحرب اور دار الکفر قرار دے کر کبھی افواج پاکستان، عدلیہ ومقننہ اور دیگر حکومتی ادارے ان کی شر انگیزیوں کا محور بنتے ہیں اور کبھی عوام پاکستان۔ الغرض ان کا کوئی بھی تیر مسلمانوں کے متفقہ دار الحرب و دار الکفر امریکہ وانڈیا کے خلاف استعمال نہیں ہوتا! ۔ اور اس پر مستزاد یہ بھی ایک سوالیہ نشان ہے کہ ان کے پاس یہ بھاری اسلحہ اور گولہ وبارود کہاں سے آیا کہ افغان طالبان بھی ان سے اعلان برأت کر چکے اور انہوں نے کسی کافر پر حملہ آور ہو کر مال غنیمت بھی حاصل نہیں کیا! کہیں ان کی سپلائی یاروں کے گھر سے تو نہیں آرہی ؟؟؟ اور وہ اسی نمک حلالی کے ذوق میں انہیں کچھ کہنے سے قاصر ہیں۔

وہ ہندوستان کے بت پرستوں کو کچھ کہہ بھی کیوں سکتے ہیں ؟ کہ انہوں نے ان ہنومان کے پجاریوں کے زخموں پر مرہم رکھا ہے۔ جی ہاں ! وہ زخم جو انہیں مقبوضہ کشمیر میں لگے تھے جس کی وجہ سے ہندوستان کی آدھی فوج مقبوضہ وادی میں مصروف ہو گئی ہے، اس کا بدلہ چکانے کے لیے پاکستان میں جابجا دھماکے کر کے پاک فوج کو بھی سرحدوں کی حفاظت کے بجائے ارض پاک کے گلی کوچوں میں مصروف کر کے، قبائلی علاقوں میں

الجھا کر کئی ایک مقبوضہ کشمیر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ جب انڈیا یا امریکہ اچانک حملہ کرے تو افواج پاکستان اپنے ہی شہروں میں پھنس چکی ہو، اور یہ کام ایک مضبوط پلاننگ کے تحت کیا جارہا ہے۔ جس کا نہ چاہتے ہوئے بھی اظہار، امریکہ کی طرف سے کیا جاچکا ہے کہ "ہمارا اصل ہدف افغانسان و عراق نہیں بلکہ پاکستان تھا" !!! ۔ اور وہ پاکستان کے خلاف ڈرون حملوں اور داخلی خود کُش دھماکوں کے ذریعہ محاذ گرم کیے ہوئے ہیں، کیونکہ کرگسوں میں اتنی جرأت کہاں کہ وہ میرے شاہینوں اور شہبازوں سے پنجہ آزمائی کرسکیں بلکہ ان کی آنکھ میں آنکھ ڈالنے کی سکت سے بھی محروم ہیں، ہاں پتھر کے دور میں پہنچانے جیسی گیدڑ بھبکیاں ضرور لگاتے رہتے ہیں۔ جبکہ مفت کے مفتی، جن کے فتووں کا کوئی بھی بھاؤ نہیں ہے، وہ کتاب و سنت کے دلائل کو توڑ مروڑ کر اس خانہ جنگی کے لیے جواز فراہم کررہے ہیں اور ان دھماکوں کو نفاذ اسلام اور غلبہء اسلام کی کوششوں سے تعبیر کیا جارہا ہے۔ مسلم امت کے ناحق خون کو کبھی قتل خطا کہہ دیا جاتا ہے اور کبھی اس کے جواز کی بودی دلیلیں پیش کی جاتی ہیں اور کبھی اس جرم بے جرم کی پاداش میں بہنے والے خون کو اپنی مجبوری کے رنگ میں چھپانے کی سعی لاحاصل کی جاتی ہے۔

یاد رہے کہ ملک پاکستان شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لیے ہی معرض وجود میں آیا تھا لیکن کچھ داخلی و خارجی مجبوریاں اور کچھ اپنوں کی کرم فرمائیوں کے نتیجہ میں یہ خواب تاحال صحیح طور پر شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکا۔ اور ہر سچا مسلمان اپنے سینہ میں آج بھی یہ تڑپ اور طلب لیے ہوئے ہے کہ لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر حاصل کیا جانے والا قطعہء ارضی اللہ کے نظام پر چلنے والی مثالی ریاست بن جائے۔ لیکن اس کا طریقہ کار جو اہل فساد نے اپنا رکھا ہے، تمام تر اہل نظر اس سے اختلاف رکھتے ہیں کیونکہ شریعت کا نفاذ صرف اور صرف اس طریقہ سے ممکن ہے جسے رہبر شریعت، امام الانبیاء جناب محمد مصطفی ﷺ نے اپنایا تھا۔ اور وہ طریقہ و منہج قتل وغارت گری، مسلمانوں کی جان ومال کے ضیاع، خوف ہراس



پھیلانے، اور بغاوت کرنے والا نہ تھا، بلکہ وہ طریقہ عقیدہ و عمل کی احسن انداز میں دعوت دے کر دلوں پر تسلط قائم کرنے کا تھا کہ جس کے نتیجہ میں پہلی اسلامی حکومت مدینہ منورہ میں قائم ہوئی اور جس کے نتیجہ میں تلوار چلائے بغیر مکہ فتح ہوا۔

اسلام نے تلوار صرف وہاں اٹھائی ہے جہاں اسے دعوت کے راستے مسدود نظر آئے اور زور بازو آزمانے کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ بچا، یا پھر دشمنوں کے حملوں کو روکنے کے لیے جہاد کیا گیا۔ لیکن اس میں بھی قتل عام کی اجازت نہ تھی بلکہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو قتل کرنا تو سرے سے ہی ممنوع تھا، حتی کہ ان جوانوں کو بھی تہ تیغ کرنے روک دیا گیا جو ہتھیار گرا دیں اور مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہوں۔ جبکہ فسادیوں کے ان دھماکوں اور خود کُش کاروائیوں میں جان بوجھ کر بے گناہ بچوں اور عورتوں کو قتل کیا جاتا ہے۔ نہتے شہریوں کو خاک وخوں میں نہلا دیا جاتا ہے۔ اور اکثر وبیشتر اپنے اس ہدف تک رسائی میں ناکامی ہی ہوتی ہے کہ جسے ہدف بنانا شرعی طور پر بھی درست نہیں ہوتا۔

زیر نظر مضمون میں ہم اسی بات پر بحث کریں گے کہ:

١. کسی بھی مسلمان کو جان بوجھ کر یا انجانے میں قتل کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
٢. ان دھماکوں کے جواز میں جو فتاوی دیے جاتے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے؟
٣. دھماکے کے انداز اور طریقہ کار کو اسلام میں کیا حیثیت حاصل ہے؟
٤. پاکستان میں کیے جانے والے دھماکوں کا فائدہ کسے اور نقصان کس کو ہوا ہے؟

خونِ مسلم کی حرمت

اللہ تعالی کے ہاں مسلم جان کی بہت ہی زیادہ قدر وقیمت ہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان ذی شان کے مطابق ساری دنیا کا تباہ ہو جانا ایک مؤمن کے قتل کی نسبت اللہ کے ہاں معمولی ہے۔(سنن النسائي : ٣٩٨٦)



یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی ایسے شخص کو ابدی جہنم کی وعید سنائی ہے جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرتا ہے۔ [النساء: ۹۳] اور اگر کوئی غلطی سے کسی مؤمن کو قتل کر بیٹھے تو اسے بھی اللہ رب العزت نے غلام کو آزاد کرانے اور دیت ادا کرنے کے بھاری جرمانہ کی سزا سنائی ہے۔ [النساء: ۹۲] اور کسی مسلمان کو قتل کرنے کی اجازت کسی کو بھی نہیں دی ہاں بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر صرف تین قسم کے مسلمانوں کا قتل جائز قرار دیا یعنی شادی شدہ زانی، قاتل اور مرتد کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے لیکن یہ کام بھی ہر ایک شخص کے سپرد نہیں کیا بلکہ صرف اور صرف مسلمان حکمران اور عدلیہ کی ذمہ داری ٹھہرائی ہے کہ وہ یہ کام سرانجام دیں۔ (صحيح البخاري: ٤٧٤٥) لیکن اس سے قبل اتنی شدید پابندیاں اور چھان بین کا اصول مقرر فرمایا ہے کہ محض شک یا الزام کی بناء پر کسی کو قتل نہ کر دیا جائے۔ مثلا زنا کے بارہ میں چار ایسے عادل گواہوں کی شرط رکھی ہے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے زنا ہوتے ایسے دیکھا ہو جیسے سرمچو سرمہ دانی میں داخل ہوتا ہے۔ (سنن أبي داؤد: ٤٤٢٨)

اور پھر صرف یہی نہیں کہ مسلمان کے قتل سے روکا گیا ہے بلکہ مسلمان کے معاہدات کی بھی تکریم کی گئی اور اگر کسی کافر کو کوئی بھی مسلمان پناہ دے دے تو تمام تر مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا کہ وہ اس کافر کی جان ومال کی حفاظت کریں۔ (صحيح البخاري: ٣١٧٩) اور اگر کوئی شخص ایسے کافر کو قتل کر دیتا ہے جسے کسی مسلمان نے پناہ دی ہو یا اس کے ساتھ امن معاہدہ کر رکھا ہو، تو اس کے لیے جنت تو کجا، جنت کی خوشبو سے بھی محرومی کی وعید سنائی گئی ہے۔ (صحيح البخاري: ٣١٦٦) اور اگر کوئی شخص غلطی سے کسی معاہد (امن معاہدہ والے) کافر کو قتل کر دیتا ہے تو اسے بھی سو اونٹ بطور دیت ادا کرنا ہوں گے اور ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا ہوگا اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا پڑیں گے۔ [النساء: ۹۲]



جبکہ ان خود کُش دھماکوں میں صرف اور صرف یہی لوگ ہدف بنتے ہیں یعنی بے گناہ مسلمان، یا پھر مسلمان ملک کے ساتھ امن معاہدہ کر کے آنے والے کفار، اور یہ جاہل حملہ آور اس کبیرہ گناہ کو ثواب عظیم سمجھ کر سرانجام دیتا ہے۔ حالانکہ اسلام میں ان لوگوں کا قتل کسی بھی صورت جائز نہیں ہے۔ اور پھر ستم بالائے ستم کہ یہ دھماکے کیے بھی ایسی جگہوں پر جاتے ہیں کہ جن کے بارہ میں کوئی ذی شعور مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا۔ اللہ کے گھر مساجد، اسلام کی چھاؤنیاں مدارس، اور عوام الناس کے جمع ہونے کی جگہوں، مثلاً: مارکیٹوں، بازاروں کو ہدف بنایا جاتا ہے۔ یا پھر دیگر ممالک سے آنے والے غیر مسلم جو ایک امن معاہدہ کے تحت یہاں داخل ہوئے ہیں اور ان کا کام ہمارے ہی ملک کی تعمیر و ترقی ہے، یا سیر و سیاحت ان کا مشغلہ ہے۔

اسلام نے تو کسی مسلمان کو ڈرانے اور دہشت زدہ کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ (سنن أبي داؤد: ٥٠٠٤) جبکہ ان دھماکوں اور حملوں کے نتیجہ میں پوری امت مسلمہ بالعموم اور اسلامیان پاکستان بالخصوص دہشت کا شکار ہیں۔ ہر کوئی اسی پریشانی کے عالم میں کہ نہ جانے کب کوئی خود کش بمبار کسی جگہ سے بر آمد ہو اور انسانی جسموں کے چیتھڑے بکھر جائیں۔ خوف و ہراس کی اس فضاء نے کاروبار زندگی کو معطل کر دیا ہے، بے روزگاری بڑھ گئی ہے، سرکاری و نیم سرکاری اداروں کے ملازمین موت کے بادلوں کو سر پہ منڈلاتا دیکھ کر فرائض منصبی کو صحیح طور پر ادا کرنے سے قاصر ہیں اور غیر سرکاری ادارے اپنے بجٹ کا ایک بڑا حصہ سیکورٹی پہ صرف کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ ان شر انگیزوں کی شرارتوں سے کوئی پاکستانی محفوظ نہیں ہے، حتی کہ یہ خود بھی ایک دوسرے سے محفوظ نہیں! کتنے ہی ایسے واقعات سامنے آتے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کو شک کی بناء پر یہ لوگ قتل کرتے چلے جاتے ہیں کیونکہ تحقیق و تفتیش اور حوصلہ و حکمت سے یہ لوگ عاری ہیں۔ یعنی محض انسانی خون کے پیاسے اور قتل و غارت کے خوگر یہ درندے بنی آدم

کے لاشوں کے انبار لگا کر دل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔ اور ان موجود ازبکی ٹولہ سے تو یہ خود بھی خائف رہتے ہیں، کہ انہیں تو صرف گردنیں کاٹنے کا بہانہ چاہیے۔ اپنے پرائے کی تفریق کیے بغیر ایک دوسرے پر جاسوسی کا الزم دھرتے، کاٹتے چلے جاتے ہیں۔ان کی اس خونخواری پر وحشی درندے بھی حیرت زدہ ہیں۔

جواز کے فتووں کی حقیقت:

ان سب نقصانات اور شرعی واخلاقی قباحتوں کے باوجود عصر حاضر میں ایسے مفتیوں نے جنم لیا جنھوں نے اس خانہ جنگی کو سند جواز فراہم کی۔ اور کفر کا شروع سے یہی وتیرہ رہا ہے کہ ٹکے، دو ٹکے کے ملاؤں کو خرید کر ان سے من پسند فتوے حاصل کیے جاتے ہیں اور پھر مسلمانوں میں سے کمزور عقیدہ وایمان کے لوگوں سے ان فتووں پر عمل درآمد کرایا جاتا ہے۔اور یہی کہانی ارض پاک میں دہرائی گئی کہ حکمرانوں اور افواج پاکستان کو طاغوت قرار دیا گیا اور پھر پاکستانی عوام کے ایمان واسلام کو بھی مشکوک بنا دیا گیا اور ان سب کو مرتد حکمران، مرتد افواج اور مرتد عوام کہہ کر ان کے قتل کا بے دلیل جواز پیش کیا گیا۔ ذیل میں ہم ان کے فرسودہ دلائل کی قلعی کھولیں گے۔

پہلی دلیل:: عوام مرتد ہو چکی ہے۔:

ان دھماکوں میں جو بے گناہ لوگ جان کی بازی ہار جاتے ہیں ان کے خون کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ لوگ طاغوتی حکمرانوں کی اطاعت اور ان کے نظاموں کو تسلیم کرنے کی وجہ سے مرتد ہو چکے ہیں۔ لہذا اگر ان دھماکوں میں عوام الناس کو ہدف بنا لیا جائے یا ہدف کے حصول کی خاطر اگر ان کی جانیں ضائع ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے

عوام الناس کے پاکستانی حکمرانوں کے ماتحت چلنے کی وجہ سے ان کے ایمان کی نفی اسامہ بن لادن نے اپنے ایک بیان میں بھی کی ہے جسے تکفیری ابو علی المہاجر نے اپنی کتاب



"جہاد پاکستان پر اٹھائے جانے والے شبہات کا مدلل رد" کے صفحہ ۲۰ اور ۲۱ پر نقل کیا ہے۔ اور اسی قسم کا تاثر اسد اللہ قاسمی نے اپنی کتاب "کیا ہمارے حکمران کافر ہیں؟" کے صفحہ ۲۸ تا ۳۰ پر دیا ہے کہ کفار کی کسی بھی طرح کی مدد کرنے والا شخص کافر ہو جاتا ہے، اور عوام الناس بھی پاکستانی نظام کو تسلیم کرکے "طاغوتی عدالتوں" سے فیصلے کروا کر، امریکی جنگ میں مدد کے لیے ٹیکس ادا کرکے اس کفر کی مرتکب ہو رہی ہے۔ اور پاکستانی افواج، عدالتیں، پولیس وغیرہ کے کفر میں شک کی تو کوئی گنجائش باقی نہیں بچی۔ اور اس پر اس نے مفتی نظام الدین شامزئی جیسے لوگوں کے فتاوی بھی نقل کیے ہیں۔ اور پھر صفحہ ۵۹ تا ۶۱ پر وکلاء اور ججوں کو سب سے بڑا کافر یعنی طاغوت قرار دیا اور اس کے لیے ملاکنڈ ڈویژن کے دیوبندی مفتی ولی اللہ اور دیگر کے فتاوی کا سہارا لیا۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے انصار ان طاغوت ص ۱۶ تا ۱۸، اور آسمانی قوانین سے اعراض، از ابو جنید۔)

اس دلیل کا تجزیہ:-

اس دلیل میں جو بات مفتیانِ کج فہم کہنا چاہتے ہیں وہ سادہ لفظوں میں یہ ہے کہ تمام تر اہل پاکستان کافر ہو چکے ہیں اور اب ان کی جان ومال کی کوئی قدر وقیمت باقی نہیں رہی۔

اس دلیل میں جو فکر پیش کی گئی ہے وہ عین تکفیری اور خارجی فکر ہے۔ خوارج کبیرہ گناہ کے ہر مرتکب کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے تھے اور ان کی جان ومال کو اپنے لیے مباح سمجھتے تھے۔ اور کائنات کے تمام تر تکفیریوں کی بنیاد خوارج پر ہی ہے اور وہ بھی عوام الناس کی تکفیر میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے اور تکفیر کے اصول وضوابط کو بالائے طاق رکھتے ہوئے لوگوں کی بے جا تکفیر کرتے ہیں۔ پاکستانی عوام کا قصور ہی کیا ہے کہ یہاں کے ملاؤں نے انہیں عقیدہ وعمل سکھانے اور ان کی رہبری کرنے کی بجائے ان پر کفر کے



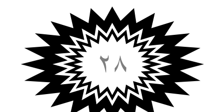
فتووں کی توپ چلا رکھی ہے۔ اور عوام بے چارے اپنی جہالت و لاعلمی کی بناء پر ایسے کاموں کی مرتکب ہو رہی ہے۔ حالانکہ نبی مکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اس بات کا سبق دیتی ہے کہ اگر کوئی شخص لاعلمی و نادانی کی بناء پر ایسا کام کر بھی لے تو اسے سمجھایا جائے نہ کہ اسے کافر کہہ کر تہ تیغ کر دیا جائے۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب شام سے واپس آئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ کو سجدہ کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں بڑی محبت سے انہیں سمجھایا کہ یہ کام درست نہیں ہے۔(سنن ابن ماجه: ۱۸۵۳)

لیکن آج کے فتوی باز تکفیریوں کے پاس ایسے شخص کے لیے سوائے کافر / مشرک کے اور کوئی الفاظ نہیں ہیں، اور اگر بس چلے تو غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز شخص کا سر اٹھنے سے پہلے ہی تن سے جدا کر دیں۔

یہی ایک بنیادی فرق ہے ان تکفیریوں کے منہج اور رسول اللہ ﷺ کے منہج کے مابین، یعنی شریعت اسلامیہ کا تقاضہ ہے کہ اگر کوئی شخص کفریہ یا شرکیہ کام کرتا پایا جائے تو اسے فی الفور کافر و مرتد کہہ کر موت کے گھاٹ نہ اتار دیا جائے بلکہ اس کی اصلاح کی جائے، اگر وہ لاعلمی میں ایسا کر رہا ہے تو اسے کتاب و سنت کے دلائل سے سمجھایا جائے کہ یہ کام انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اور اگر وہ قرآن یا حدیث سے ہی استدلال کر کے غلط نتیجہ نکالے ہوئے ہے تو اس کی اس تاویل کو ختم کیا جائے اور اگر وہ کسی بڑی طاقت کے ڈر اور خوف کی وجہ سے مجبور ہو کر کفریہ کلمہ کہتا ہے یا کفریہ کام کرتا ہے تو اسے اس وقت تک ایسا کرنے کی اجازت دی جائے جب تک اس طاقت کا خوف ختم نہیں ہو جاتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کفریہ کلمات کہنے کی اجازت دی تھی کیونکہ ان کا دل اسلام پر مطمئن تھا اور وہ صرف کفار کے ظلم سے بچنے کے لیے ایسا کرتے تھے۔(مستدرك حاكم: ٣٣٦٢)



الغرض اسلام کسی بھی کلمہ گو شخص کو کافر یا مشرک قرار دینے سے پہلے بہت ہی زیادہ تحقیق و تفتیش کا حکم دیتا ہے۔ اور جب تک مرتد پر حجت قائم نہ کر لی جائے، اسے قتل کرنے سے منع کرتا ہے۔ حتی کہ اگر کوئی شخص کفار کی صف میں کھڑا ہو، اور واضح طور پر کافر و مشرک ہو، اس نے کبھی اسلام کا کلمہ نہ پڑھا ہو، اور مسلمانوں کو تہ تیغ کرتا چلا جا رہا ہو، لیکن میدان جنگ میں ہی وہ کسی مسلمان کی زد میں آجائے اور اپنے آپ کو قتل ہوتا دیکھ کر فوراً کلمہ پڑھ لے تو بھی اسلام اسے قتل کرنے سے روکتا ہے۔ اور اگر کوئی اسے ایسی صورت حال میں قتل کر دیتا ہے تو اسلام اس قاتل کے عمل سے اظہار برأت کرتا ہے اور اسے سخت سرزنش کرتا ہے۔ (صحیح مسلم: ۹۷)

لیکن دوسری طرف یہ تکفیری اور خارجی ٹولہ ہے کہ جو محض اہل اسلام کے خون کا پیاسا نظر آتا ہے، مسلمانوں میں خون کی ہولی کھیلنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا، بہانے بہانے سے اسلامیان پاکستان کے خون سے ہاتھ رنگتا ہے اور اس میں سے سب سے بڑا بہانہ یہ کہ ''اسلامیان پاکستان مرتد ہو چکے ہیں'' - اناللہ وانا الیہ راجعون-

سیدنا خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر دے کر بنی جَذِیمہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے وہاں جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن وہاں کے رہنے والے چونکہ یہ سنتے تھے کہ جو بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو اپناتا ہے اسے صابی یعنی بے دین کہا جاتا ہے۔ تو انہوں نے بھی بجائے اس کے کہ وہ کہیں: ہم مسلمان ہو گئے، یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم بے دین ہو گئے، حالانکہ ان کا مقصود اسلام کا اظہار کرنا ہی تھا لیکن انہیں اظہار اسلام کا صحیح طریقہ نہیں آیا۔ تو خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا اور کچھ کو قیدی بنا لیا، اور پھر ایک دن قیدیوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دے دیا، لیکن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ نہ میں اپنے قیدی کو قتل کروں گا اور نہ ہی میرا کوئی ساتھی ایسا کرے گا۔ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ

سنایا گیا تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور دو مرتبہ فرمایا: ''اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا ہے، میں اس سے بری ہوں۔'' (صحيح البخاري: ٤٣٣٩)

اور آج اسلامیان پاکستان کا بھی یہی حال ہے کہ وہ بیچارے اسلام سے سچی محبت رکھتے ہیں۔ حُبِّ نبی کا سچا جذبہ ان کے دلوں میں موجزن ہے۔ دین سے محبت ان کے رگ وپے میں گردش کرتی ہے۔ وہ اسلام کی خاطر اور ناموس رسالت کی خاطر اپنا تن، من، دھن سب کچھ لُٹانے کے لیے بے تاب نظر آتے ہیں۔ مگر افسوس کہ پاکستان کے پکی روٹی پکی روٹی پڑھنے والے ملاؤں نے انہیں اسلام پر عمل پیرا ہونا سکھایا ہی نہیں کہ وہ صحیح مسلمان بن سکیں۔ جس قدر ٹوٹے پھوٹے عقائد و اعمال انہیں معلوم ہیں، وہ انہیں ہی اسلام سمجھتے ہیں۔ اور ان پر مضبوطی سے عمل پیرا ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی کفر کی طرف لوٹ کر نہیں جانا چاہتا۔ وہ کفر و اہل کفر سے شدید نفرت رکھتے ہیں، بلکہ غیظ و غضب کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ مگر وائے ناکامی کہ ایسے محبانِ اسلام، محبانِ رسول مقبول ﷺ، جانثارانِ صحابہ واہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین، فدائیان ملت اسلامیہ کو صرف نادانی اور جہالت و کم علمی کی بناء پر کافر قرار دے کر ہمیشہ کی نیند سلایا جارہا ہے۔

حالانکہ قاتل بھی جانتے ہیں کہ جب بھی کفر واسلام کا معرکہ بپا ہو گا، یہ سب اسلام کی صفوں میں کھڑے ہوں گے، مسلمانوں کے ہی دست وبازو بنیں گے، ان کا وزن اہل ایمان کے پلڑے میں ہی گرے گا، یہ دین کے مجاہد ثابت ہوں گے۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود، امریکہ وانڈیا نواز مفتیوں کے فتوے ڈالروں کے حساب سے بکتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور اسلامیان پاکستان کو موت کی وادیوں میں دھکیلنے کے لیے اسرائیلی و امریکی اسلحہ بھی ان کے پاس پہنچ جاتا ہے، اور اہل ایمان کو خوں نہلا کر اپنے آقاؤں کو خوش کیا جاتا ہے اور اپنے سوا باقی سب کو کافر کہہ کر ان کے مال بھی لوٹے جاتے ہیں اور جانیں بھی ضائع کی جاتی ہیں۔



جبکہ سابقہ سطور میں ہم قرآن وسنت کے جو دلائل پیش کر آئے ہیں ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اہل پاکستان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوئے، بلکہ وہ سچے مسلمان ہیں، اور ان کا قتل کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔

''اے اللہ ہم بھی ان تکفیریوں اور خارجیوں کے کالے کرتوتوں سے تیرے سامنے اعلان برأت کرتے ہیں۔''

دوسری دلیل: غیر ارادی طور پر مسلمان کا قتل:

کہا جاتا ہے کہ رات کے وقت مشرکین پر حملہ کے دوران مشرکوں کے بچوں اور عورتوں کا بھی غیر ارادی طور پر قتل ہو جاتا تھا، اس کے بارہ میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ بھی انہی میں سے ہیں۔'' لہذا جب دھماکہ کیا جاتا ہے تو اصل ہدف کو نیست ونابود کرنے کے لیے کچھ بے گناہ لوگ بھی اگر قتل ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہی بات ناصر بن حمد نے اپنی کتاب میں کہی ہے جس کا اردو ترجمہ عمار صدیقی نے ''کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کا حکم'' کے نام سے کیا ہے اور یہ بات مترجم کتاب کے صفحہ ٦٩ پر موجود ہے۔

تجزیہ:

اسے کہتے ہیں: ''اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی'' قتل کرنا ہے بے گناہ مسلمانوں کو، اور اس کے جواز میں دلیل پیش کی گئی ہے بے گناہ مشرکوں کو قتل کرنے کی!

ع — اس "علمیت" پہ کون مر نہ جائے اے خدا....!

ایک تو ان کا ہدف بھی مسلمان ہی ہے نہ کہ کافر یا مشرک، جیسا کہ ہم پہلی دلیل کے تجزیہ کے دوران ثابت کر چکے ہیں، کیونکہ یہ اس ہدف پر حجت قائم کیے بغیر اس فرد مُعَیَّن کو کافر ومرتد قرار دے بیٹھتے ہیں جو کہ شرعی تقاضوں اور دینی اصولوں کے خلاف ہے۔ اور دوسرے وہ مسلمان جنہیں کبھی تو یہ کافر کہتے ہیں اور کبھی احساس ہونے کے بعد مسلمان



تسلیم کر لیتے ہیں، اور اپنے ٹارگٹ کو نشانہ بناتے بناتے بیسیوں ایسے افراد کو مشق ستم بنا ڈالتے ہیں۔ جبکہ دین اسلام نے ایسی جگہ پر ہلہ بولنے یا غارت گری کرنے سے منع کیا ہے جہاں مسلمان بھی موجود ہوں چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا ہے:

﴿وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُمْ مِنْهُمْ مَعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ [الفتح: ۲۵]

ترجمہ: اور اگر مؤمن مرد اور مومن عورتیں جن کے بارہ میں تمہیں معلوم نہیں، اگر یہ نہ ہوتا کہ تم انہیں بھی روند ڈالوگے اور تم پر لاعلمی میں ان کی وجہ سے عیب لگ جائے گا (تو ان پر حملہ کر دیا جاتا) تاکہ اللہ جسے چاہے اپنے رحمت میں داخل کرے، اور اگر وہ (مؤمن اور کافر) الگ الگ ہوتے تو ان میں سے جو کافر ہیں ہم انہیں ضرور درد ناک عذاب دیتے۔

یعنی جب کافروں کے ساتھ مؤمن بھی موجود ہوں تو اللہ تعالی ایسے علاقہ پر حملہ کرنے کی اجازت نہیں دے رہے کہ کہیں لاعلمی میں کوئی مسلمان ہی قتل نہ ہو جائے اور اہل اسلام پر یہ تہمت نہ لگ جائے کہ یہ لوگ اپنے ہی ہم مذہب لوگوں کو قتل کرتے ہیں۔ ہاں جب مسلمان اور کافر الگ الگ ہو جائیں تو پھر کافر کو سزا دینا، ان کے خلاف لڑنا درست ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ اگر یہ کافر و مسلم الگ الگ ہوتے تو ہم انہیں درد ناک عذاب دیتے۔ یعنی مسلمانوں کی کافروں کے درمیان موجودگی کافروں کے لیے بھی جان بخشی کا باعث بن جاتی ہے نہ کہ مسلمانوں کے لیے وبال جاں۔ مگر طاغوتی مفتیوں نے معاملہ الٹ کر رکھا ہے کہ کافر کو قتل کرنے کے لیے مسلمان کا خون بہانا بھی ان کے لیے کوئی گناہ نہیں ہے۔



حالانکہ نبی کریم ﷺ ایسی بستی پر حملہ نہ ہوتے تھے جہاں سے اذان کی آواز سن لیتے کہ یہاں کافروں کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی بستے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لشکر اسلام کی تلواروں کی زد میں کوئی مسلمان بھی آ جائے۔ (صحیح مسلم: ۳۸۲)

الغرض مفتیان خوارج کا استدلال بھی نہایت ہی کمزور ہے بلکہ ان کی علمیت کا منہ چڑاتا ہے اور کتاب وسنت کے واضح دلائل بھی ایسی کاروائیوں کی حرمت پر صریح دلالت کرتے ہیں۔

تیسری دلیل: منجنیق سے حملہ کرنے کی رخصت:

نبی کریم ﷺ نے اہل طائف پر منجنیق سے حملہ کیا، حالانکہ منجنیق سے حملہ ایسے ہی ہے جیسے بمباری ہوتی ہے کیونکہ اس میں بھی بے دریغ ہلاکتیں ہوتی ہیں۔ عورتیں اور بچے بھی مارے جاتے ہیں، جن کا قتل بنیادی طور پر اسلام میں منع ہے۔ یہی بات ناصر بن حمد نے اپنی کتاب میں کہی ہے جس کا اردو ترجمہ عمار صدیقی نے "کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کا حکم" کے نام سے کیا ہے اور یہ بات مترجم کتاب کے صفحہ ۶۷ پر موجود ہے۔

تجزیہ:

اس دلیل کی حالت بھی سابقہ دلیل ہی کی طرح ہے، کیونکہ جہاں مسلمان موجود ہوں، نبی کریم ﷺ تو وہاں حملہ ہی نہیں کرتے، اور اس منجنیق کے نتیجہ میں جو بچے یا عورتیں ہلاک ہوئے وہ سب مشرکین کے بچے اور عورتیں تھیں، نہ کہ مسلمانوں کے۔ جبکہ یہاں مسلمانوں پر ظلم ڈھایا جاتا ہے اور وہ بھی بچوں اور عورتوں پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے نوجوانوں پر! اور ایسے مسلمانوں پر جن میں کوئی بھی کافر موجود نہیں ہے!!! اور اگر کوئی کافر ہوتا بھی ہے تو وہ یا تو ذمی ہوتا ہے یا مستأمن یا معاہد اور یا پھر سفیر، کہ جن کا قتل اسلام نے سختی منع کر رکھا ہے جیسا کہ ہم پہلے واضح کر آئے ہیں۔



چوتھی دلیل: ڈھال بنائے جانے والے مسلمانوں کا قتل:

اس بارہ میں کتاب و سنت سے کوئی دلیل ان جہلاء کو نہیں مل سکی، ہاں کچھ ائمہ دین کے فتوے انہیں میسر آئے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کو کافر بطور ڈھال استعمال کر رہے ہوں تو ایسے مسلمان کو قتل کر کے کافروں تک پہنچنے کا راستہ کھولا جا سکتا ہے۔ یہی بات ناصر بن حمد نے اپنی کتاب میں کہی ہے جس کا اردو ترجمہ عمار صدیقی نے "کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کا حکم" کے نام سے کیا ہے اور یہ بات مترجم کتاب کے صفحہ ۶۹ پر موجود ہے۔

تجزیہ:

لیکن یہ بات بھی محل نظر ہے، کیونکہ ائمہ دین، گوکہ ہمیں ان کی شان و عظمت کا اعتراف ہے لیکن بہر حال وہ انسان ہی ہیں اور ان سے غلطی ہونا ممکن ہے۔ اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ڈھال کے طور پر استعمال ہونے والے ہر مسلمان کو قتل کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اسے درست قرار دے دیا جائے تو مسلمانوں کے قتل عام کا دروزاہ کھل جاتا ہے۔

پھر دوسری دلیل کے تجزیہ کے دوران ہم جو دلائل بیان کر چکے ہیں ان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اگر کافروں کے ہاں اسیر ہوں یا کافروں کے درمیان رہائش پذیر ہوں یا کافروں نے انہیں ڈھال بنا رکھا ہو، تو ایسی صورت میں اگر مسلمانوں کے قتل ہونے کا اندیشہ ہو تو وہاں حملہ نہ کیا جائے۔ اور اگر یہ خدشہ نہ ہو کہ مسلمان بھی قتل ہو جائیں گے تو پھر وہاں حملہ کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ سورۃ الفتح [آیت نمبر: ۲۵] کے حوالے سے فرمان باری تعالیٰ ہم نقل کر آئے ہیں۔ کہ اللہ تعالی نے اسی خدشہ کی بناء پر کہ مسلمان قتل ہو جائیں گے، لشکر اسلام کو فوج کشی سے منع کر دیا۔ لہٰذا جب کسی مسلمان کو کافروں نے اپنے لیے ڈھال بنایا ہو تو ایسے طریقے سے کاروائی کی جائے کہ وہ مسلمان بچ جائے، اسے کافروں کی قید سے رہائی مل جائے اور کفر بھی نیست و نابود ہو جائے۔ ہاں اگر اس دوران کافر ہی اس



مسلمان کو قتل کر دیں تو وہ درجۂ شہادت پر فائز ہو جائے گا اور مسلمان کسی مؤمن کو قتل کرنے کے گناہ سے بھی بچے رہیں گے۔

دھماکوں کے طریقہ کار کا شرعی جائزہ:

ان دھماکوں اور حملوں کی حرمت تو قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ کے دلائل سے ہم ثابت کر چکے۔ لیکن یہاں ایک اور بات بھی بہت اہم اور قابل توجہ ہے اور وہ ہے ان حملوں اور دھماکوں کے طریقہ کار کی شرعی حیثیت!

جی ہاں! ایک تو یہ دھماکے خلاف شرع ہیں اور دوسرا ان دھماکوں کا طریقہ کار بھی خلاف شرع ہی ہے کہ اس میں انسان جان بوجھ کر اپنے آپ کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے ۔ جبکہ خودکُشی دین اسلام میں ایک بڑا جرم ہے۔ حتی کہ میدان قتال میں زخمی ہو جانے والا بھی اگر اپنے زخموں کی تکلیف برداشت نہ کرتے ہوئے خودسوزی کرلیتا ہے تو بھی اس کا اجر ضائع ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے آپ کو جس چیز سے قتل کرے گا اسے جہنم میں بھی اسی چیز کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ (صحيح البخاري: ١٣٦٤) اور پھر میدان جنگ میں ایک کلمہ گو شخص نے زخموں سے چور ہونے کے بعد جب درد و تکلیف بڑھنے لگی تو اس نے اپنی ہی تلوار کو زمین پر رکھ کر اس پر اپنا سینہ رکھا اور پھر اپنا سارا وزن اس تلوار پر ڈال دیا اور خودکُشی کرلی، تو نبی کریم ﷺ نے اس کے بارہ میں فرمادیا کہ یہ جہنمی ہے۔(صحيح البخاري: ٢٨٩٨)

جبکہ یہ خودکُش بمبار دشمن کا نقصان کریں یا نہ کریں، البتہ اپنے آپ کو ضرور موت کے گھاٹ اتار کر جہنمی ہونے کی وعیدِ نبوی کے مستحق بن جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ خودکُش حملہ صرف اپنے آپ کو قید سے بچانے کے لیے ہوتا ہے۔



مگر صد افسوس کہ ایسے قبیح عمل کو بھی جواز بخشنے کے لیے خوارج عصر کے مفتیان بے لگام کے قلم حرکت میں آئے اور انہوں نے اصحاب اُخدُود والے واقعہ سے باطل استدلال کرتے ہوئے اس طریقہ کار کو سند جواز فراہم کی، کہ اصحاب اخدود والے اس بچہ نے خود بادشاہ کو کہا تھا کہ اگر تم بسم اللہ پڑھ کر تیر چلاؤ گے تو تب تم مجھے قتل کرنے میں کامیاب رہو گے۔

مجھے تو ان فقیہانِ کج فہم کے استدلالات پر تعجب ہوتا ہے کہ اس بچے کی اس حکمت عملی کے نتیجہ میں لوگ جوق در جوق مشرف بہ اسلام ہوئے، رب کی توحید کے علمبر دار بنے اور اپنی جان کی بازی ہار گئے مگر توحید الٰہی سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے۔ جبکہ ان ظالمان کی سفاکانہ کاروائیوں کے بعد تو لوگ اسلام اور اسلام کے میناروں یعنی جہاد و توحید سے بیزار ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ایسی توحید سے ہم یوں ہی بھلے۔" اور جہاد کو دہشت گردی سمجھ کر اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں، بلکہ اس کے نام سے بھی خائف ہو جاتے ہیں

دوسری طرف قابل غور بات یہ بھی ہے کہ اس بچہ نے اپنے آپ کو خود قتل نہیں کیا تھا بلکہ بادشاہ کے ہاتھوں شہید ہوا تھا!۔ یعنی کہاں خود سوزی اور کہاں سزائے موت کو بخوشی قبول کرنے کی مجاہدین اسلام کی ادائے دلنواز...!

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک.....!

الغرض ان دھماکوں کا طریقہ کار بھی ایسا گھناؤنا ہے کہ اس کا جواز بھی اسلام میں کہیں موجود نہیں۔

پاکستان میں ہونے والے دھماکوں کے نتائج:

ان خونخوار درندوں کی وحشت پر روح چنگیز بھی حیران و سرگرداں ہے کہ اس نے تو قتل انسانی کا پھر بھی کوئی نہ کوئی معیار مقرر کیا تھا لیکن ان کے ہاں انسانیت کو نابود کرنے



کے لیے کوئی بھی معیار مقرر نہیں ہے۔ ان کی اس بربریت کا فائدہ کسے ہو رہا ہے اور یہ جانے یا انجانے میں کن کے لیے استعمال ہو رہے ہیں حالات حاضرہ سے واقف ہر شخص اس بات کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ ان فسادات کے نتیجہ میں:

۱) مسلمانوں کا امن تباہ ہوا۔

۲) مسلمانوں کی املاک اور جانوں کا نقصان ہوا۔

۳) اسلام اور بالخصوص اسلام کا اہم ترین فریضہ جہاد فی سبیل اللہ بدنام ہوا۔

۴) اسلام اور اسلامی شعائر سے نفرت نے جنم لیا۔

۵) کفار کے خلاف جاری جہاد میں کمزوری و کمی واقع ہوئی۔

۶) پاکستان کی معاشی حالت ابتر ہوئی۔

۷) ان دھماکوں اور عسکری کاروائیوں کی روک تھام لیے ملک کے بجٹ کا بیشتر حصہ استعمال ہوا۔

۸) غیر ملکی تخریب کار ایجنسیوں کو پنپنے کا نادر موقع میسر آیا۔

۹) افواج پاکستان اور انٹیلی جنس ادارے دشمن سے ٹکرانے اور ان پر نظر رکھنے کی بجائے اپنے ہی گھر میں الجھاؤ کا شکار ہوئے۔

۱۰) پاکستان کی سرحدیں قدرے غیر محفوظ ہوئیں اور غیر ملکی گوریلوں کو ارض پاک میں کاروئیوں کا موقع ملا۔

۱۱) دشمن ممالک کو اس مذہبی دہشت گردی کی آڑ میں اپنے مذموم مقاصد تک پہنچنے میں آسانی ہوئی۔

۱۲) بلکہ دشمنوں کے بہت سے اہداف جن تک وہ پہنچ نہیں سکتے تھے، ان فسادیوں کے ہاتھوں انہیں بھی نشانہ بنایا گیا۔



جی ہاں یہ سب ایسے فوائد ہیں جو کفار نے حاصل کیے ہیں اور دنیا کی نظروں سے اوجھل نہیں ہیں بلکہ اخبارات کی زینت بنے ہیں۔ اور اسلامیان پاکستان کا اتنا خون اس ملک کے معرض وجود میں آنے سے لے کر ۲۰۰۷ء کے اوائل تک نہیں بہا تھا، جتنا اس کے بعد سے لے کر اب تک بہہ چکا ہے۔ نہ ہی اتنی ہلاکتیں پاک وہند کے مابین ہونے والی جنگوں میں ہوئیں اور نہ اس کے علاوہ کسی اور موڑ پر۔ ۲۰۰۷ء سے اب تک تقریباً ایک ہزار سے زائد خودکش دھماکے ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ مذموم عسکری کاروائیاں ایسی ہیں جن کی کوئی حتمی تعداد نہیں ہے۔ اور ان میں ۴۵۲۸۹ افراد لقمہ اجل بن چکے ہیں اور زخمیوں کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز ہے۔ جس کے نتیجہ میں ہزاروں بیوائیں بے آسرا، بچے یتیم، اور والدین اپنے بڑھاپے کا اکلوتا سہارا کھو بیٹھے ہیں۔ بازاروں اور مارکیٹوں میں ہونے والے دھماکوں کے نتیجہ میں کئی خاندانوں کی عمر بھر کی کمائی ان کی دکانوں سمیت جل کر راکھ ہوئی اور وہ کشکول گدائی اٹھانے پر مجبور ہوئے۔

معاشی حالت ایسی ابتر ہوئی کہ سرمایہ دار اپنی رقم منڈیوں میں لانے سے ڈرنے لگے کہ کہیں زندگی بھر کی محنت نذر آتش نہ ہو جائے۔ صرف کوچہ وبازار ہی نہیں بلکہ مسجد ومدرسہ اور منبر ومحراب بھی اس فساد کی لپیٹ میں آئے۔ نمازیوں کے مقدس خون سے مساجد رنگین ہوئیں۔ ننھے معصوم فرشتوں کے چیتھڑے مدارس کی چٹائیوں پر بکھرے۔ قرآن کے پاکیزہ اوراق دہشت گردی کا نشانہ بنے۔ ان سفّاک درندوں کی خونخواری سے نہ اللہ کے گھر بچ سکے، نہ اللہ کے بندوں کی رہائش گاہیں محفوظ رہ سکیں، اور نہ ہی گلی محلہ کا امن قائم رہ سکا۔

بدامنی کا ایسا سیاہ دور شروع ہوا کہ قاتل کو بھی معلوم نہیں کہ میں انہیں کیوں قتل کر رہا ہوں اور مقتول بھی یہ نہیں جانتا کہ مجھے کس جرم کی سزا مل رہی ہے۔ اور یہ سارا خون خرابہ صرف نفاذ اسلام کے نام پر کیا جا رہا ہے۔



لیکن در حقیقت نفاذ اسلام کے نام پر کیے جانے والے ان فسادات کے نتیجہ میں غلبہ اسلام کی حقیقی تحریکیں کمزور پڑیں۔ لوگ اسلام اور جہاد سے متنفر ہوئے۔ اصل جہادیوں کو بھی فسادی سمجھا جانے لگا۔ اسلام کی طرف مائل ہوتے لوگ نام نہاد مسلمانوں کی خونخواری دیکھ کر مسلمان کا لفظ سنتے ہی اپنے ذہنوں میں وحشی درندے کا تصور کرنے لگے۔ لوگوں کو اسلام اور اسلامی نظام سے نفرت پیدا ہوئی، حتی کہ اسلامی سزاؤں اور شرعی حدود کو بھی وحشیانہ سزائیں سمجھا جانے لگا، اور اسلام کے چہرے پہ سیاہی ملنے کی کوئی کسر نہ چھوڑی گئی۔ جس کے نتیجہ میں مجاہدین اسلام کی کمک میں کمی واقع ہوئی، لوگوں نے تعاون سے ہاتھ کھینچا، میڈیا والوں نے جہادی کاروائیوں کو کوریج دینا اپنے لیے باعث عذاب سمجھنا شروع کر دیا، کفار کے حوصلہ بلند ہوئے، مسلمانوں پر افسردگی چھانے لگی اور یہ سمجھ لیا گیا کہ امریکہ کے افغانستان آنے کے بعد اصل جہاد ختم ہو گیا ہے، اور اب صرف ان بم دھماکوں اور قتل وغارت گری پر ہی زور ہے۔ طاغوتی طاقتیں یہی چاہتی تھیں کہ اسلام، اسلامیان، جہاد اور مجاہدین کو بدنام کرکے، مسلمانوں کے دلوں سے ان کی محبت کی جگہ نفرت بھر دی جائے لیکن یہ کام وہ خود نہ کر سکتے تھے اس کا بہترین موقع ان تکفیری فسادیوں نے فراہم کیا۔

اب ایک طرف پاکستان، اس کے حکومتی ادارے اور بے کس ولاچار عوام ہے تو دوسری طرف ان سے بر سرپیکار امریکہ، انڈیا، اسرائیل، اور تحریک طالبان پاکستان ہے۔ اور اس کا واضح ثبوت گزشتہ سال سے افغان سرزمین پر بیٹھ کر امریکی اوراتحادی فورسز پر حملے کرنے کی بجائے پاکستانی سرحدی علاقوں پر گوریلا کاروائیاں کرنا ہے اور ان میں جو اسلحہ استعمال کیا جاتا ہے وہ بھی سارا امریکی اور نیٹو ساختہ ہے۔ چترال، دیر اور سوات کے علاقے اکثر ان فسادیوں کے حملوں کا نشانہ بنتے رہتے ہیں۔

یہ ظالمان بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ روس کے خلاف جنگ میں تم نے امریکہ سے اسلحہ لیا تھا تو کیا ”شریعت یا شہادت“ کے لیے ہم نہیں لے سکتے؟۔ حالانکہ روس

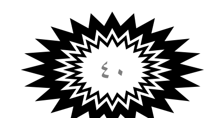


کے خلاف جنگ صریح کفر کے خلاف جنگ تھی جبکہ ان فسادیوں کے توپوں کا رخ صرف مسلمانوں کی طرف ہے۔

الغرض فائدہ اگر ہوا ہے تو صرف کفار کو، امریکہ وانڈیا کو اور پاکستان دشمن قوتوں کو ان دھماکوں سے ہوا ہے۔ اور نقصان اگر ہوا ہے تو صرف اسلام کا، اہل اسلام کا، اہل پاکستان کا اور ارض پاکستان کا۔ حکومت کو یہ دھماکے روکنے کے لیے بڑی تعداد میں فنڈز صرف کرنے پڑے، جس کے نتیجہ میں ترقیاتی کام رکے، مہنگائی بڑھی، بے روزگاری عام ہوئی، صنعت اجڑی، بے یقینی پھیلی، منڈیاں سرد پڑ گئیں، کاروبار معطل ہوئے اور نتیجہ معلوم کہ گھروں کے گھر اجڑ گئے۔

ایسے افراتفری کے ماحول میں دشمن کی خفیہ ایجنسیاں ارض پاک میں اپنے مذموم مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھیں، انہیں ایجنٹ پاکستان کے اندر سے ہی میسر آگئے۔ بلیک واٹر، سی آئی اے، را، اور جے ساک جیسی خطرناک دہشت گرد تنظیموں نے وطن عزیز میں اپنے پنجے گاڑھنے شروع کیے اور یہ سب اسی تحریک ظالمان پاکستان کی شہ پر ہوا۔ جس کا واضح ترین ثبوت یہ ہے کہ ریمنڈ ڈیوس کے موبائل فون سے برآمد ۸۰ فیصد رابطہ نمبرز جنوبی وزیرستان کے فسادی ظالمان کے ہی تھے۔

پاکستان کی اس اندرونی مخدوش صورت حال نے بیرونی جارح یعنی امریکہ کے حوصلے بلند کر دیے اور وہ پاکستان میں خفیہ عسکری کاروائیوں کے بعد کھلے عام درجنوں حملے کر چکا ہے جن میں انگور اڈے پر سحری کے وقت روزہ داروں کا قتل اور سلالہ حملہ بطور مثال موجود ہیں اور آئے روز ہونے والے ڈرون حملے بھی کسی سے مخفی نہیں ہیں، اور اس کا حواری انڈیا بھی کئی دفعہ سرجیکل سٹرائیک کی دھمکیاں دے چکا ہے اور اس کے طیارے کئی بار پاکستان کی فضاؤں میں دراندازی کر چکے ہیں۔



اسی طرح انڈیا وامریکہ کی شہ پر تحریک ظالمان کے دہشت گردوں نے ایسے اہداف پر بھی حملہ کیا ہے جن تک غیر ملکیوں کا پہنچنا، جوئے شیر لانا تھا جس کی مثالیں کراچی نیول بیس، جی ایچ کیو، پشاور ایئر پورٹ، آئی ایس آئی کے دفاتر پر حملہ کی صورت میں موجود ہیں۔

محترم قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ نہ تو اسلام میں ان دھماکوں کی اجازت ہے ، اور نہ ہی ان کا طریقہ کار شرعی طور پر درست ہے اور نہ ہی ان سے اسلام یا اہل اسلام کو کوئی فائدہ آج تک ہوا ہے اور نہ ہی مستقبل قریب یا بعید میں ہوتا نظر آتا ہے۔ بلکہ اسلام ان حملوں کو حرام اور ان کے طریقہ کار کو خودکشی قرار دیتا ہے اور زمینی حقائق کے مطابق ملت کفر ہی ان کارروائیوں سے فائدہ اٹھاتی نظر آتی ہے۔ اور آج جب پاک فوج نے ان تکفیریوں کے خلاف ایک ہلکا سا آپریشن کیا تو انکے سارے قوانین ہی الٹ ہوگئے ، اب یہ بھی نہتے شہریوں کو نشانہ بنانے کو ناجائز قرار دینے لگے اور مذاکرات کی بھیک مانگنے پر مجبور ہوگئے۔ پھر اس دوران ہونے والے دھماکوں سے اعلان لاتعلقی کرنے لگے ہیں۔ ابھی اس بات کو چند دن ہی ہوئے ہیں کہ یہ لوگ باہم دست و گریبان ہیں، ایک دوسرے کے خلاف محاذ گرم کرتے نظر آتے ہیں، جی ہاں! یہی وہ ظالمان ہیں جو کل بے گناہ پاکستانیوں کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگ رہے تھے تو آج آپس میں ہی نبرد آزما ہیں ، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں۔ یہ سارا منظر نامہ یہی بتاتا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے ہاں قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور شریعت یا شہادت کا نعرہ لگا کر در حقیقت اقتدار اور حکومت چاہتے ہیں۔ یہی انکا مطمع نظر ہے اور یہی انکا مطلوب و مقصود ہے۔ وگرنہ آج یہ لوگ مذاکرات پہ آمادہ کیوں نظر آرہے ہیں؟ کیا شریعت نافذ ہوگئی ہے؟ کیا حدود اللہ کا نفاذ ہو چکا ہے؟ کیا اسلامی حدود کے مطابق پاکستانی عدالتیں فیصلے سنانا شروع ہوگئی ہیں؟ اگر یہ سب کچھ نہیں ہوا تو پھر مذاکرات چہ معنی دارد؟ شاید صرف یہی کہ "حکومت مل جائے"..!

بقیہ درس قرآن وحدیث

اس عمومی اصول سے مستثنی ہو جانے کی بناء پر ہاتھ اٹھا کر یا جہراً کی جائیں گی۔ان کے علاوہ باقی تمام تر دعائیں ہاتھ اٹھائے بغیر، اونچی آواز نکالے بغیر، دل ہی دل میں کی جائیں گی۔

اس آیت سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نماز میں پڑھی جانے والی تمام تر دعائیں، خواہ ثناء و دعائے استفتاح ہو یا رکوع وسجدہ اور تشہد کی دعائیں سب سراً یعنی آواز نکالے بغیر، خفیہ طور پر پڑھی جائیں۔ کیونکہ دعاء میں اصل اخفاء ہے ، اور انکے جہر کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

۲۔ نماز کے بعد دعاء مانگتے ہوئے ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔کیونکہ اس موقع پر ہاتھ اٹھانا شرعی دلیل سے ثابت نہیں ، اور ہاتھ اٹھانے والا "خفیہ" نہیں رہتا۔استثنٰی کی دلیل نہ ہونے کی بناء پر وہ حکم شرعی ﴿اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ پر ہی عمل کرے۔

۳۔ جن دعاؤں کو اونچی آواز سے پڑھنا ثابت ہے ان کے علاوہ نماز کے بعد کی جانے والی باقی دعائیں بغیر آواز مانگی جائیں۔

۴۔ مختلف مواقع پر کی جانے والی ادعیہ ، مثلاً: مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت، کھانے سے پہلے اور بعد، بیت الخلاء میں داخل اور خارج ہوتے وقت ،سواری پر سوار ہوتے وقت وغیرہ کی دعائیں بھی ہاتھ اٹھائے بغیر اور آواز نکالے بغیر کی جائیں۔

سراً یعنی اونچی آواز نکالے بغیر دعاء کرنے کے بہت سے فوائد اور فضیلتیں ہیں مثلا :



۱۔سراً دعاء کرنا ایمان کی مضبوطی کی دلیل ہے۔کیونکہ اس وقت دعاء کرنے والے کا عقیدہ ہوتا ہے کہ اللہ خفیہ بات کو بھی سنتا ہے۔

۲۔ آہستہ آواز میں دعاء کرنا اللہ کی تعظیم ہے ، کیونکہ جب اللہ سراً کی جانے والی دعاء کو بھی سنتا ہے تو پھر شور کس لیے ؟

۳۔ سراً دعاء کرنے میں تضرع اور خشوع زیادہ ہوتا ہے۔گویا اللہ کے سامنے اس کی آواز گُنگ ہو چکی ہے۔

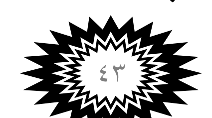
۴۔ اس طرح دعاء کرنے میں اخلاص زیادہ ہوتا ہے ، کیونکہ اس میں ریاء کی گنجائش نہیں رہتی۔

۵۔ آہستہ دعاء کرنے والا اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا ، جبکہ جہراً دعاء کرنے میں اس کا خدشہ لگا رہتا ہے۔

جن مواقع پر دعاء کے لیے ہاتھ اٹھانا یا جہراً دعاء کرناثابت ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :

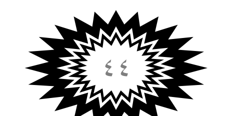
۱۔کسی کے مطالبہ پر ہاتھ اٹھا کر جہراً دعاء کرنا:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قحط پڑ گیا۔ اس دوران کہ نبی ﷺ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے ایک دیہاتی کھڑا ہوا، اس نے کہا : اے اللہ کے رسول ﷺ مال ہلاک ہوگیا، اہل وعیال بھوکے ہوگئے، آپ اللہ سے ہمارے لیے دعاء فرما دیں۔تو آپ ﷺ نے دعاء کے لیے اپنے ہاتھ اٹھا دیے اور اس وقت آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نہ تھا۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آپ ﷺ کے ہاتھ نیچے کرنے سے پہلے ہی پہاڑوں جیسے بادل نمودار ہوگئے ، اور ابھی آپ ﷺ منبر سے اترے نہ تھے کہ میں نے آپ ﷺ کی داڑھی مبارک پر بارش ٹپکتی دیکھی۔



پھر سارا دن بارش ہوتی رہی، اس سے اگلے دن بھی اور اس کے بعد بھی حتی کہ دوسرا جمعہ آگیا۔ اور وہی دیہاتی یا کوئی اور اٹھا تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! عمارتیں گر گئیں ، مال غرق ہوگیا ، آپ ہمارے لیے اللہ سے دعاء کریں ۔ تو نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اے اللہ! ہمارے ارد گرد (بارش برسا) اور ہم پر نہ (برسا۔) اور آپ ﷺ اپنے ہاتھ کے ساتھ جس طرف بھی اشارہ فرماتے تھے، بادل وہاں سے ہٹ جاتا تھا حتی کہ مدینہ کے گرد بادلوں کا دائرہ بن گیا۔ (صحيح البخاري: ۹۳۳)

ابو عامر رضی اللہ عنہ غزوہ اوطاس کے امیر تھے ،انہیں تیر لگا جس سے وہ نڈھال ہوگئے تو انہوں نے ابو موسی رضی اللہ عنہ کو کہا کہ نبی ﷺ کو میرا سلام کہنا اور میرے لیے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا ، اس کے کچھ ہی بعد وہ خالق حقیقی سے جاملے۔ابو موسی عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ جب واپس آئے تووہ نبی ﷺ کے پاس گئے۔ آپ ﷺ ایک گھر میں کھجور سے بُنی چارپائی پر تشریف فرما تھے۔ چارپائی پر بستر بچھا ہوا تھا اور آپ ﷺ کی کمر اور پہلوؤں پر کھجور کی رسیوں کے نشانات تھے۔انہوں نے آپ ﷺ کوابو عامر کی خبر دی اور ان کی دعائے مغفرت کی درخواست بھی پیش فرمائی تو نبی کریم ﷺ نے پانی منگوایا اور اس سے وضوء فرمایا۔ پھر کچھ دیر بعد آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے اللہ! ابو عامر عبید کو معاف فرما دے۔ابو موسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ پھر کچھ دیر بعد آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ! قیامت کے دن اسے اپنی مخلوق میں سے بہت سے لوگوں پر فوقیت عطاء فرما۔تو میں نے عرض کیا اور میرے لیے بھی استغفار فرما دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا : اے اللہ! عبد اللہ بن قیس کے گناہ معاف فرما اور اسے روز قیامت عزت والی جگہ میں داخل فرما۔



(صحيح البخاري:٤٣٢٣، وصحيح مسلم : ٢٤٩٨)

۲۔قنوت نازلہ کے لیے ہاتھ اٹھانااور بآواز بلند دعاء کرنا:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مشرکین نے ستر قراء صحابہ کو شہید کر دیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی چیز پر اتنا غمزدہ نہیں دیکھا جتنا غم آپ ﷺ نے انکی شہادت پر کیا۔میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ جب بھی فجر کی نماز پڑھاتے تو ہاتھ اٹھا کر ان صحابہ کے قاتلین کے خلاف بد دعاء فرماتے۔ (مسند أحمد : ١٢٤٠٢)

۳۔قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا

عبد اللہ بن کثیر بن المطلب کہتے ہیں کہ انہوں نے محمد بن قیس کو یہ کہتے سنا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ فرما رہی تھیں: کیا میں تمہیں اپنے اور نبی ﷺ کے متعلق ایک واقعہ نہ سناؤں؟ ہم نے کہا: کیوں نہیں۔فرماتی ہیں: جب میری رات تھی جس میں نبی ﷺ کی باری میرے ہاں تھی تو آپ ﷺ گھر لوٹے اور اپنی چادر مبارک رکھی اور اپنے جوتے اتار کر پاؤں کے پاس ہی رکھ لیے اور اپنے ازار کا ایک حصہ بستر پر بچھایا اور لیٹ گئے۔ابھی اتنی دیر ہی گزری تھی کہ آپ ﷺ نے یہ گمان کیا کہ میں سو گئی ہوں تو آپ ﷺ نے اپنی چادر آہستہ سے اٹھائی، آہستہ سے جوتا پہنا، آہستہ سے دروازہ کھولا اور اسے آہستہ سے بند کر دیا۔تو میں نے سر پر چادر لی ، دوپٹہ اوڑھا ، ازار سنبھالا اور آپ ﷺ کے پیچھے چل دی۔ حتی کہ آپ ﷺ بقیع (قبرستان) پہنچے۔ وہاں کافی دیر تک کھڑے رہے۔



پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو تین بار اٹھایا، پھر واپس پلٹے تو میں بھی پلٹی۔ وہ جلدی چلنے لگے تو میں نے بھی تیز قدم اٹھانا شروع کر دیے۔ وہ دوڑے تو میں بھی دوڑی۔ وہ گھر پہنچے تو میں ان سے پہلے ہی گھر پہنچ گئی۔میں ابھی گھر میں داخل ہو کر لیٹی ہی تھی کہ آپ ﷺ بھی داخل ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائش ! تو کیوں گھبرا ئی ہوئی ہے اور سانس پھولا ہوا ہے؟ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: کچھ بھی نہیں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو مجھے بتائے گی یا خوب باریک بین اور خوب خبر رکھنے والا (اللہ) مجھے بتائے؟!۔ میں نے کہا : اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اور میں نے ساری بات کہہ سنائی۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ہی وہ سایہ تھی جو میں نے اپنے آگے دیکھا؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! تو آپ ﷺ نے میرے سینے میں گھونسا مارا جس سے مجھے کچھ تکلیف ہوئی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے یہ سمجھا تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تجھ پر ظلم کریں گے؟ فرماتی ہیں کہ لوگ جتنا بھی چھپا لیں، اللہ تو جانتا ہی ہے، ہاں !۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا :جب تو نے دیکھا تو اس وقت میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے تھے۔انہوں نے تجھ سے چھپا کر مجھے آواز دی، تو میں نے بھی تجھ سے چھپا کر اسے جواب دیا۔اور وہ تیرے پاس آنے والے نہ تھے کیونکہ تو اپنے کپڑے اتار چکی تھی، اور میں نے سمجھا کہ تو سو گئی ہے تو میں نے تجھے جگانا پسند نہیں کیا، اور مجھے خدشہ ہوا کہ تو ڈر جائے گی۔ جبریل نے مجھے کہا: آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اہل بقیع کے پاس جائیں اور ان کے لیے استغفار کریں ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں کیسے دعاء کیا کروں ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تو کہہ : السَّلَامُ عَلَى



أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَيَرْحَمُ اللهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِينَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ۔ (صحيح مسلم: ٩٧٤)

۴۔ نماز استسقاء میں دعاء کے لیے ہاتھ اٹھانا:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اللہ ﷺ کسی بھی دعاء میں (اس قدر) ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے مگر بارش طلب کرنے میں اتنے ہاتھ اٹھاتے کہ آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی جاتی تھی۔ (صحیح مسلم: ۸۹۵)

۵۔ تعزیت کے دوران میت اور اہل میت کے لیے جہراً دعاء کرنا:

جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بند فرمائیں اور فرمایا کہ جب روح قبض ہوتی ہے تو آنکھیں اس کا پیچھا کرتی ہیں۔ یہ بات سن کران کے گھر والے چیخنے لگے تو نبی ﷺ نے فرمایا: اپنے لیے بھلائی ہی مانگو، کیونکہ جوکچھ بھی تم کہتے ہو ، فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! ابو سلمہ کو معاف فرما دے ، اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اسے بلند مقام عطا فرما، اور اس کے بعد اس کے اہل وعیال میں اس کا خلیفہ بن جا، اوراے رب العالمین! اسے اور ہمیں معاف فرما دے ، اے اللہ اس کی قبر کو کشادہ فرما اور اس کے لیے اس میں روشنی کر دے۔ (صحیح مسلم :۹۲۰)

ان مواقع کے علاوہ اور بھی کچھ مواقع ایسے ہیں جن میں ہاتھ اٹھا کر یا بآواز بلند دعاء کرنا ثابت ہے۔ہم بغرض اختصار انہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وسلم



دینی امور پر اجرت

قسط نمبر (۱) از قلم: محمد رفیق طاہر

منکرین حدیث کی طرف سے اہل الحدیث پر جو اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں، ان میں سے ایک بڑا اعتراض یہ بھی ہے: "دینی امور پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔" ان کا یہ زعم باطل ہے کہ دینی تعلیم ہو، امامت ہو، خطابت ہو، درس و تدریس ہو، پڑھنا پڑھانا ہو یا دینی امور میں سے کوئی بھی معاملہ ہو، اس پر اجرت لینا جائز اور درست نہیں ہے۔ اگر اجرت لے لی جائے گی تو اس کا اجر اور ثواب ختم ہو جائے گا۔ اس کے بارے میں وہ کچھ دلائل بھی رکھتے ہیں، ہم ان شاء اللہ ان کا محاکمہ آپ کے سامنے پیش کریں گے۔ لیکن مختصراً اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا جو موقف تھا، پہلے اس کو سمجھ لیں۔

ایک صحابی نے ایک شخص کو دم کیا، چالیس بکریاں اس کو اجرت کے طور پر دی گئیں۔ اسکے بارہ میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے ایک اصول، قاعدہ اور قانون بیان فرمایا: "إن أحق ما أخذتم عليه اجرا كتاب الله۔"

(صحیح بخاری: ۵۷۳۷)

وہ تمام تر پیشے، تمام تر کام، تمام تر امور، جن پر اجرت لی جاتی ہے، ان سب میں سے کتاب اللہ یہ حق زیادہ رکھتی ہے کہ اس پر اجرت لی جائے۔

اب ذرا ان اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں جو منکرین حدیث کی طرف سے کیے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض: اجرت لینا اخلاص کے منافی ہے

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: "وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ"



انہیں حکم دیا گیا تھا کہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے دین کو خالص کر کے اللہ کی عبادت کریں۔ [البينة : ٥]

عبادت میں اخلاص ہونا چاہیے اور دینی امور جتنے بھی ہیں چاہے وہ خلافت ہے، نظامت وامارت ہے، مسلمانوں کے اندر قضاء وفیصلے کا کام ہے، چاہے وہ دین اسلام کی تعلیم ہے، قرآن مجید فرقان حمید کی تعلیم ہے یا امامت ہے، خطابت ہے، درس وتدریس، جو بھی اسلام سے متعلقہ کام ہیں، یہ سارے کے سارے عبادت کے زمرہ میں آتے ہیں، تو ان میں اخلاص شرط ہے۔ اگر ان پر اجرت لے لی جائے تو اخلاص ختم ہو جاتا ہے۔

اگر کوئی درس وتدریس، امامت وخطابت، قضاء ونظامت وغیرہ جو اسلام کے شعبے اس کو دیئے جائیں، کام پر اس کو مامور کیا جائے، اگر وہ اس کی اجرت لے لے تو اس کا اجر ختم ہو جائے گا۔

محاکمہ

اولا: یہ اعتراض بالکل باطل اور فضول سا ہے۔ کیونکہ اخلاص اور نیت کی تعریف یہ ہے:

''الإرادة المتوجهة نحو الفعل لابتغاء مرضات الله وامتثال حكمه''

یعنی کسی فعل کی طرف اپنے ارادے کو بندہ متوجہ کرے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کے لیے۔

تو پھر اگر اس کے اندر کوئی غرض جو شرعاً جائز ہو، وہ شامل ہو جائے تو اخلاص ختم نہیں ہوتا۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حج کرنے میں اخلاص شرط لگائی ہے۔ فرمایا:

''وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً [آل عمران : ٩٧] ''



اللہ تعالیٰ کے لیے ان لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے، جو راستے کی طاقت اور استطاعت رکھتے ہیں۔

اخلاص کو اللہ تعالیٰ نے سب سے مقدم ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

" لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ أَن تَبۡتَغُواْ فَضۡلاً مِّن رَّبِّكُمۡ "

اگر تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

یعنی اگر کوئی آدمی پاکستان سے حج کرنے کے لیے جاتا ہے اور وہ ساتھ حج کے دوران، حج کے ایام میں تجارت بھی کرلیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم پر کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دینی امور پر اجرت لے لی جائے تو اس سے اخلاص ختم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی نیت، وہ بھی موجود ہو، اور اگر اس کے ساتھ ساتھ اجرت بھی لے لی جائے، اخلاص پھر بھی ختم نہیں ہوتا۔

ثانیا: جو لوگ اجرت لینے کے قائل نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی خود ہی ہدیہ دے تو جائز ہے۔ امام صاحب امامت کروائیں، خطبہ دیں، درس قرآن وحدیث دیں، مسلمانوں کے قاضی اور جج بنیں، لیکن وظیفہ ان کے لیے مقرر نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں اگر لوگ اس کو کوئی ہدیہ اور تحفہ اپنی خوشی سے دے دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

یعنی ہدیے اور تحفے کو وہ لوگ جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کو ہدیہ یا تحفہ کہہ دینے سے اس کی حیثیت نہیں بدلتی۔ کیونکہ ابن لتبیہ کو رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ کا مال اکٹھا کرنے کے لیے عامل بنا کر بھیجا، آکر کہنے لگے کہ یہ آپ کی زکوٰۃ ہے جو لوگوں نے دی ہے اپنے مالوں کی، اور یہ چند ایک تحفے تحائف ہیں جو لوگوں نے مجھے دیئے



ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو تحائف وصول نہیں کرنے دیئے۔ فرمایا: ہاں! یہ اپنی ماں کے گھر بیٹھا رہتا، پھر میں دیکھتا کہ کون اس کو تحفے دیتا۔

(صحیح البخاری: ۲۵۹۷)

رشوت کو تحفہ کہہ دینے سے اس کی حیثیت تبدیل نہیں ہوتی۔ اگر اجرت لینا ناجائز ہو تو پھر ہدیہ لینا بھی ناجائز ہی ہو گا۔ کیونکہ ہدیہ لوگ اس کو کیوں دیں گے؟ یقیناً دینی امر کی وجہ سے ہی دیا جائے گا۔ لیکن ان بیچاروں کے ہاں دینی امر کی وجہ سے اجرت ناجائز اور ہدیہ جائز!!! فرق صرف اتنا ہے کہ اجرت کا نام ہدیہ رکھ دیا ہے۔

ع   جو چاہے تیرا حسن کرشمہ ساز کرے

ثالثا: اجر کے دو معنی ہوتے ہیں: ① اجرت و مزدوری ② اجر و ثواب

اجر و ثواب تو لوگوں سے لیا جا ہی نہیں سکتا۔ وہ تو صرف اللہ رب العالمین ہی دے سکتے ہیں۔ اور جو اجرت ہے وہ لوگوں سے لی جا سکتی ہے اور لوگ دے بھی سکتے ہیں۔ اس مسئلہ کو بھی مثال سے سمجھیں کہ تجارت کو خالصتاً دنیاوی کام سمجھا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''البیعان بالخیار ما لم یتفرقا ، فإن صدقا وبینا بورك لهما في بیعهما''

(صحیح البخاری: ۲۰۷۹)

بیع و شراء کرنے والے دونوں کو اختیار حاصل ہے جب تک وہ جدا نہیں ہو جاتے تو اگر یہ دونوں سچ بولیں اور بات واضح کر دیں تو انکے لیے انکی تجارت میں برکت ڈال دی جاتی ہے۔ اس حدیث میں واضح ہے کہ تاجر کو اسکی تجارت میں سچائی کی وجہ سے خیر و برکت حاصل ہوتی ہے، یعنی اجرت بھی ملتی ہے اور اجر بھی۔ تو معلوم ہوا کہ اگر کوئی اجرت لیتا ہے تو وہ اجر سے محروم نہیں ہوتا۔ اجر علیحدہ چیز ہے اور اجرت علیحدہ چیز ہے۔ (جاری ہے......)



MUJALLA AHL UL HDEETH MULTAN

عموما آل دیوبند یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ اہل الحدیث ایک نومولود فرقہ ہے اور انکا سلسلہ اسناد ہی نہیں ہے۔ اس پروپیگنڈہ کی قلعی کھولنے کے لیے ذیل میں ہم فخر اہل الحدیث سلطان المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ الباری کی کتاب صحیح البخاری تک اپنی ایک سند پیش کیے دیتے ہیں۔ حافظ عبد المنان نورپوری رحمہ اللہ کے واسطہ سے ہماری ایک سند یوں ہے:

عبد المنان النورفوري
نا عبد المنان الوزير آبادي
عن محمد بن علي الشوكاني
عن حامد بن حسن الشاكر
عن محمد بن حسن العجيمي
عن يحيى الطبري
عن إبراهيم الدمشقي
عن محمد الفارسيني
عن محمد بن يوسف الفربري

نا حافظ محمد الكوندلوي
عن عبد الحق البنارسي
عن علي بن براهيم
عن أحمد بن عبد الرحمن الشامي
عن أحمد بن محمد العجل اليمني
عن جده محب الطبري
عن عبد الرحيم الفرغاني
عن يحيى بن عمار الختلاني
عن الامام محمد بن اسماعيل البخاري

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ أَنَّ أَنَسًا حَدَّثَهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كِتَابُ اللهِ الْقِصَاصُ





 /ahlulhdeeth
 /ahlulhdeethforum
 /ahlulhdeethupdates
www.ahlulhdeeth.com